Aanchal, Feb, 2003.



ھما جہانگیر

آہیں بھریں تو آندھیاں برباد کر گئیں
نالے کئے تو لگ گئی آگ آشیانے میں
جو کچھ کہا، سنا ہو میرے باغباں معاف
شاید ملوں نہ کل تجھے آشیانے میں

مخصوص گلابی لفافہ میز کے وسط میں پڑا دیکھ کر سونیا مسکرادی۔ سنہری حروف میں لکھا ہوا ''پرسنل'' کا لفظ نظر انداز کر کے لفافہ چاک کرنے لگی کہ پرسنل ڈاک کا جواب دینا بھی اس کی ذمے داریوں میں شامل تھا۔ نوکری کے اول ایام میں وہ تمام پرسنل ڈاک الگ کر کے وکیل صاحب کے لیے سنبھال چھوڑتی تھی۔ کسی کی پرسنل ڈاک کھولنا اس کی نظر میں ایک معیوب فعل تھا۔ چاہے وہ اس شخص کی پرسنل اسسٹنٹ ہی کیوں نہ ہو مگر مسٹر ارسل کے پرزور اصرار پر اور بار بار یقین دلانے پر کہ ان کے پاس ان تمام لغویات کے لیے قطعی وقت نہیں ہوتا' سونیا نے ان کی ڈاک کے جواب بھی دینے شروع کر دیئے تھے مگر اس لفافے کی اہمیت کا اندازہ سونیا کو اچھی طرح تھا۔ پچھلے ایک سال میں وہ جانے کتنے ہی آنٹی نانو کے خطوط کے جواب دے چکی تھی۔ تقریباً ہر دو ہفتے کے بعد یہ لفافہ اس کی میز پر جواب کا طلب گار ہوتا تھا۔

''اوہو تو وکیل صاحب کی سالگرہ ہے آج' محترم آج پورے تیس سال کے ہو گئے ہیں۔'' آج بھی آنٹی نانو نے بے حد خفگی کے ساتھ اپنے مخصوص انداز میں سالگرہ کی مبارک باد کے ساتھ ارسل کے ابھی تک کنوارے ہونے پر اعتراضات لکھ بھیجے تھے۔ ہر دو ہفتوں بعد آنٹی نانو کے نصیحتوں اور خفگیوں بھرے خط موصول کرنا اور ان کے جواب دینا' سونیا کے اولین فرائض میں شامل تھا۔ جو کچھ آج تک اس نے محسوس کیا تھا' اس کا لب لباب یہ تھا کہ آنٹی نانو مسٹر ارسل کی رشتے کی نانی ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی بہت پیاری سی فرینڈ بھی تھیں مگر صد افسوس کہ دونوں میں ایک منٹ کو نہ بنتی تھی۔ ان کے محبت بھرے برتھ ڈے کارڈ پر بنی بوڑھے آدمی کی شبیہہ دیکھ کر سونیا کو ہنسی آ گئی۔

''ارے سونیا ملک!'' کھنکتی آواز پر سونیا نے داخلی دروازے کی جانب دیکھا۔ چست کپڑے پہنے' نازک سی ہیل پر بیلنس کرتی ہاتھ کی انگلی میں پرس گھماتی' نتاشا بے حد خوب صورت لگ رہی تھی۔

''ارسل کہاں ہیں؟'' وہ بے تکلفی سے اس کے میز کے کونے پر ٹک گئی۔

''مسٹر ارسل ایک کیس کے سلسلے میں اسلام آباد گئے

ہوئے ہیں؟'' سونیا نے اس کے بے تکلفی کو نظر انداز کرتے ہوئے احتیاط سے کارڈ واپس گلابی لفافے میں ڈالا اور اپنا فائل والا کام دراز سے نکالا۔

''ارے اب کیا ہوگا؟ آج تو ان کی برتھ ڈے ہے۔ میں نے ان کے لیے سرپرائز پارٹی ارینج کی ہوئی ہے۔ آج آ تو جائیں گے نا وہ؟'' گول گول منہ بنائی' سرخ لپ اسٹک سے سجے مخروطی لپ' نخرے سے چباتی نتاشا سونیا سے ہمیشہ ہی خار کھاتی تھی۔ اپنی ناپسندیدگی پر قابو پا کر سونیا نے اسے دیکھا۔

''جی' کہہ کر تو یہ ہی گئے تھے کہ آج واپسی ہوجائے گی۔'' وہ لاپروائی سے جواب دے کر اپنے کام پر دوبارہ جھک گئی مگر وہ نتاشا ہی کیا جو سونیا کو مصروف دیکھ کر چلی جائے۔

''کیسے کرلیتی ہو یہ سب کچھ تم؟ ہر وقت کی پڑھائی دماغ کی تھکن' اف توبہ' مجھ سے تو بالکل بھی نہ ہو اتنا خشک کام۔ چہرے پر اثر ہوتا ہے۔'' وہ شاید بالکل فارغ تھی۔ سونیا بنا جواب دیئے کام کرتی رہی۔

''اچھا' یہ بتاؤ کہ تم خود بھی تو وکیل ہو پھر خود پریکٹس کیوں نہیں کرتیں۔ ارسل کی اسسٹنٹ کیوں بن گئیں۔ کیا بہت مرعوب ہو اس سے؟'' نتاشا نے نخوت سے اس سے پوچھا۔

''میں ان کے جتنی لائق اور اپنے پروفیشن کے لیے وقف نہیں تھی۔ جانتی تھی کہ بہت اچھی وکیل خود سے نہیں بن سکوں گی۔ سو بہت اچھے وکیل کی اسسٹنٹ بن گئی اور مسٹر ارسل کتنے اچھے وکیل ہیں' اس کا تجربہ جتنا آپ کو ہے' شاید مجھے بھی نہیں۔'' سونیا نے چاشنی میں ڈبو کر کڑوی سی بات کا حوالہ دیا۔ نتاشا سے ان لوگوں کی ملاقات اس کے (طلاق) کیس کے سلسلے میں ہوئی تھی۔ نتاشا کی لومیرج چند ماہ میں ہی ناکام ہو کر طلاق کی نوبت آ گئی تو اس نے ارسل سے رجوع کیا۔ وہ کسی بھی طرح اب اپنے شوہر کے ساتھ رہنا نہ چاہتی تھی مگر چونکہ حق مہر دو لاکھ تھا سو لڑکے والے طلاق دینے کو تیار نہ تھے۔ معاملہ کورٹ تک پہنچا تو ارسل سے بہترین اور کوئی ڈائیورس لائیر ان کو نظر نہ آیا اور اس دن سے وہ ان کے سر پر جیسے مسلط ہی ہو گئی تھی اور اب تو سونیا کو یوں محسوس ہوتا تھا' جیسے اس نے مسٹر ارسل کو اپنا وکیل چننے کے ساتھ ساتھ اپنا ہم سفر بھی چن لیا تھا اور مسٹر ارسل' سے زیادہ بدھو تو اسے اور کوئی لگتا ہی نہ تھا جو نتاشا جیسی لڑکی کو پہچان نہ پائے تھے۔ ان کو اس کومل سی' نازک سی' لڑکی پر بہت ترس آتا تھا۔ یہ بھی کوئی عمر تھی طلاق یافتہ کہلانے کی۔ اب کون ان کو سمجھاتا اور طلاق کے بعد پچھلے ان چھ سات ماہ سے تو نتاشا کی نظر کرم ارسل پر بڑھتی ہی جارہی تھی۔'' سونیا اپنی سوچوں کے دھارے میں بہتی چلی گئی۔

''مہک تمہاری شادی تو نہیں ہوئی نا ابھی؟'' نتاشا کی آواز پر سونیا اپنے خیالات سے چونک گئی۔ اس نے حیرت سے اس کو دیکھا۔

''نہیں' کیوں؟'' وہ دوبارہ اپنی فائل اٹھانے لگی۔

''میرے (سابقہ) شوہر کے بارے میں کیا خیال ہے۔ بے چارہ دل کا برا نہیں تھا۔ بس اس کے خیالات بڑے پرانے تھے۔ اصل میں اسے قائداعظم کے زمانے میں پیدا ہونا چاہیے تھا۔ ویسے تم سے خوب نبھے گی اس کی۔'' سونیا کو اس نے نظروں ہی نظروں میں جانچا۔ جیسے کوئی قربانی کے بکرے کو جانچتا ہو۔ سونیا کو آگ سی لگ گئی مگر خود پر قابو ہی رکھا۔

''تھینک یو سوچ آفر کے لیے۔ کبھی ضرورت ہوئی تو تم سے ضرور رجوع کروں گی'' وہ سرسری انداز میں بولی۔ نتاشا کھسیا کر میز سے اتر گئی۔

''اچھا تو پھر میں چلتی ہوں۔ ارسل آئیں تو ان کو یاد دلا دینا کہ آج ان کو میرے گھر آنا ہے اور پلیز پارٹی کا نہ بتانا' وہ سرپرائز ہے۔ او کے بائے۔'' وہ ہاتھ ہلاتی کمرے سے نکل گئی۔

''توبہ کیا چیز ہے' یہ لڑکی بھی۔ کتنا بے مصرف بولتی ہے۔ سب ضروری کام دماغ سے نکل گئے ہیں۔ نہ جانے مسٹر ارسل کو اس میں کیا نظر آتا ہے' خود غرض اور بناوٹ اس کے انگ انگ سے چھلک رہی ہے۔'' سونیا نے اس

خالی جگہ کو گھورا جہاں کچھ دیر پہلے نتاشا بیٹھی تھی۔

''یا شاید میں اس کی خوب صورتی سے جیلس ہوجاتی ہوں۔'' سونیا سر جھٹک کر نئے سرے سے اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔

☆☆☆

''مہک!'' ارسل کی آواز پر سونیا نے اپنے کاغذات سے سر اٹھا کر بند دروازے کی جانب دیکھا جہاں سے یہ آواز آئی تھی۔ پھر اپنے کاغذات تسلی سے سمیٹ کر ایک طرف رکھے۔ جانتی تھی کہ اندر بلاوے کا مطلب کافی لمبا کام تھا۔ کاغذ رکھ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مہک!'' اب کے آواز تقریباً ایک چیخ سے مشابہ تھی۔ آواز میں جھنجھلاہٹ کا عنصر نمایاں تھا۔ سونیا آرام سے دروازہ کھول کر بنا کسی عجلت کے کمرے میں داخل ہوگئی۔

''سنائی نہیں دیتا کیا؟ کب سے آوازیں دے رہا ہوں۔ کیا کررہی تھیں؟'' ارسل اس کی جانب دیکھے بغیر اسٹارٹ ہوگیا۔ ''کہاں ہے مسز آفندی کے کیس کی فائل۔ یہ عورت تو میرا دماغ خراب کرکے ہی رہے گی۔'' اس کا جواب سنے بغیر ہی وہ کڑک کر بولا۔

''A کے خانے میں رکھے ہیں ان کی فائل کے تمام کاغذات۔'' سونیا نے کیبنٹ کی طرف اشارہ کیا۔

''مجھے تمہارا یہ سسٹم بالکل سمجھ نہیں آتا' نہ ہی میرے پاس اتنا فالتو وقت ہوتا ہے۔'' وہ بے زاری سے بولا تو سونیا نے اٹھ کر A کے خانے میں سے فائل نکال کر اس کی میز پر رکھی اور واپس جانے کے لیے مڑ گئی۔

''مہک!'' ارسل کی آواز نے اس کے قدم روک دیئے۔ ''سوری' بیٹھو نا!'' وہ اپنی تلخ کلامی پر واقعی شرمندہ نظر آرہا تھا۔ اس کی یہی چھوٹی چھوٹی عادتیں تو سونیا کو اس نوکری پر روکے ہوئی تھیں۔ وہ اگر بدمزاجی کرتا تھا تو معافی مانگنے میں بھی ایک منٹ کی دیر نہ کرتا تھا اور سچ تو یہ تھا کہ سونیا کی تنخواہ اس نوکری کی سب سے بڑی کشش تھی۔ اب بھی جانے کس کا غصہ اس پر نکل رہا تھا۔ وہ دھیرے سے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''مہک! تمہیں پتا تو ہے کہ ابھی ابھی تو آیا ہوں' اسلام آباد سے۔ سخت تھک گیا ہوں اور وہ...... وہ منحوس ٹیپ ریکارڈر' تمام راستے اس کیس کے نوٹس ریکارڈ کرتا آیا اور اب چلا کر سنا تو معلوم ہوا کہ وہ چلا ہی نہیں' جبکہ بالکل نیا خریدا تھا مگر خراب نکلا۔ کتنے چور ہیں یہ پاکستانی بھی۔ ناقص چیز اٹھا کر دے دی۔ اسی لیے تمام دنیا میں بدنام ہیں۔ اب سارا کام دوبارہ کرنا پڑے گا۔ یہ کیس تو میرے گلے پڑ گیا ہے۔ طلاقیں لوگ لیں اور سر درد میرا۔ جانے لوگ پہلے شادی کرتے ہی کیوں ہیں۔'' ملک کے ممتاز ڈائیورس وکیل کے منہ سے یہ سب سن کر سونیا کو عجیب لگ رہا تھا۔ وہ تو اپنے شعبے کا بادشاہ مانا جاتا تھا۔ جس پارٹی کا کیس وہ لیتا تھا' وہ تو آج تک ہاری ہی نہ تھی۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ ان سالوں میں ارسل شادی بیاہ' پیار محبت اور ان سے متعلق ہر رشتے کی اہمیت سے متنفر ہو گیا تھا۔ سونیا نے ایک افسوس بھری نظر اس اچھے سے انسان پر ڈالی۔

''کوئی ہے' جو یہ ٹھیک کردے۔'' ارسل نے ٹیپ میز پر رکھ دیا۔ وہ کافی چڑا ہوا تھا۔

''آپ نے لیتے ہوئے چیک کیا تھا؟'' سونیا جانتی تھی کہ اس وقت اس کا موڈ آف ہے' سو اس نے دھیرے سے بات شروع کی۔

''جب دکھایا تھا' تب تو چل رہا تھا مگر دو نمبر مال دینے میں تو پاکستانی ماہر ہیں۔'' ارسل جل کر بولا۔

''پاکستانی کیوں کہہ رہے ہیں۔ صرف اس کو برا بھلا کہیں نا جس نے ایسی حرکت کی ہے۔ ایک شخص کی وجہ سے تمام قوم کو برا کہنا تو ٹھیک نہیں۔'' سونیا کو اس کا یوں بولنا اچھا نہیں لگا۔ ''ویسے اگر واقعی ایسا مسئلہ ہے تو میں آج رک جاتی ہوں' مجھے نوٹس لکھوا دیجئے۔ کل ٹائپ کر کے آپ کی میز پر رکھ دوں گی' مقدمے سے پہلے۔'' سونیا کی آفر پر ارسل کھل اٹھا۔

''مہک! مہک' تمہارے بغیر میں کیسے رہ سکوں گا۔ میں تو بالکل ادھورا ہوں تمہارے بغیر۔'' اس نے سونیا کو

خوشی سے دیکھا۔ تمام کوفت اور تھکان اس کے چہرے سے غائب تھی۔ وہ اسے محبت بھری نظروں سے تک رہا تھا۔ یک بارگی سونیا کا دل زور سے دھڑکا پھر اس نے اپنے اوپر قابو پالیا۔ یہ تو ارسل کی عادت تھی۔ وہ تھا ہی اتنا جذباتی۔ ''جانے کیا کیا بولتا جاتا ہے' یہ بھی نہیں سوچتا کہ اگر میری جگہ کوئی اور ہوتو کیا مطلب اخذ کرے ان باتوں سے۔'' وہ جز بز ہوتی کاغذ قلم لینے اٹھ گئی۔ ارسل دوبارہ اپنے کاغذات میں گم ہو چکا تھا۔ کتنے ہی نوٹس تھے جو مہک کو ڈکٹیٹ کروانے تھے۔ چند لمحے پہلے وہ کیا بول چکا تھا' اسے یاد بھی نہ تھا۔

نہ جانے کتنا وقت بیت گیا تھا۔ شام کے لمبے سائے کب کے رات کے اندھیروں میں مدغم ہو چکے تھے مگر وہ دونوں بے خبر اپنے کام میں جتے ہوئے تھے۔

''یہ لیجئے تمام پیپرز۔'' سونیا نے فائل اکٹھی کر کے اس کے سامنے رکھی اور خود بیٹھ گئی۔ تھکن سے اس کا برا حال تھا۔ اس نے ہولے ہولے اپنی گردن اور کندھوں کو دبایا۔ فائل چیک کر کے ارسل نے بھی سکون کا سانس لیا۔

''شکر ہے' یہ کام بھی نمٹا۔ تھینک یو مہک! تم ہمیشہ مشکل وقت میں میرا ساتھ دیتی ہو۔ آج اگر یہ نہ ہوتا تو کتنے ہی اہم نکات میرے دماغ سے نکل جاتے۔ یہ سب اس فضول سے کیسٹ پلیئر کی وجہ سے ہوا ہے۔'' ارسل بول رہا تھا۔ سونیا نے بے خیالی میں وہ کیسٹ پلیئر اٹھا کر دیکھا اور پھر ہولے سے مسکراتے ہوئے اس نے خاموشی سے غلط لگے ہوئے سیل سیدھے کر کے دوبارہ لگا دیئے۔ آن کا بٹن دباتے ہی کیسٹ پلیئر چل پڑا۔

''ارے' یہ کیسے ٹھیک ہو گیا؟'' ارسل نے چونک کر اسے دیکھا۔

''تمام پاکستانی چور نہیں ہیں۔ کچھ ان میں سے بے وقوف بھی ہیں۔'' وہ کیسٹ پلیئر میز پر رکھ کر اٹھ گئی۔

''مہک!'' اس کی آواز پر سونیا کے قدم رک گئے۔

''جی؟''

''یہ تم مجھ پر طنز کر رہی تھیں؟'' وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

''نہیں سر!'' وہ معصومیت سے بولی۔

''اگر تم طنز کی مرتکب ہوئی ہوتو میں....'' وہ شاید اسے دھمکانے والا تھا۔

''سر! مجھے دیر ہو چکی ہے۔ آپ نے شاید غور نہیں کیا مگر باہر رات گہری ہو رہی ہے۔ تمام اسٹاف جا چکا ہے۔ وکیل آپ ہیں' میں نہیں۔ میں صرف آپ کی اسسٹنٹ ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ ایک لڑکی بھی۔ میری امی اب پریشان ہو چکی ہوں گی۔ اگرچہ میں نے فون کر دیا تھا مگر اب تو بہت دیر ہو چکی ہے۔'' دیر ہونے کی وجہ سے سونیا کے لہجے میں اکھڑ پن آ گیا تھا مگر ارسل کام ختم ہونے کی وجہ سے ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا سو اس نے برا نہ مانا اور ویسے بھی مہک صحیح کہہ رہی تھی۔

''چلو میں چھوڑ دوں تمہیں۔'' ارسل باقی تمام کام چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

''پلیز سر' یہ تو روز کا معمول ہے۔'' سونیا بیگ اٹھاتے ہوئے بولی۔ ''آپ کتنی دفعہ چھوڑیں گے۔ ویسے آج تو واقعی مسئلہ ہوگا۔''

''یعنی کہ میری وجہ سے تم روز ہی لیٹ ہو جاتی ہو۔ یہی کہنا چاہ رہی ہو نا۔'' اب ارسل شرمندہ ہو کر موڈ آف کر چکا تھا۔ اتنی رات گئے سونیا کو اس کی آفر ہی غنیمت لگی۔

''چلیں یا ابھی اور بحث کر کے دیر کرنے کا ارادہ ہے۔'' پلکوں کی اوٹ سے اسے دیکھ کر سونیا نے مسکراہٹ لبوں پر ہی روک لی۔

''ہوں!'' وہ برا سا منہ بنا کر اٹھ گیا۔ اتنا کامیاب وکیل کبھی کبھی بالکل بچوں کی سی حرکتیں کرتا تھا۔ تمام راستے وہ خاموش ناراضگی کا اظہار کرتا رہا مگر سونیا اتنی تھکی ہوئی تھی کہ اس نے پروا ہی نہ کی۔ وہ اسے گھر کے دروازے پر ہی ڈراپ کر کے گاڑی زن سے لے اڑا۔ وہ تھکے تھکے قدموں سے اپنے چھوٹے سے گھر میں داخل ہو گئی۔ دس مرلے پر بنا یہ گھر ہی تو وہ کل سرمایہ تھا جو بابا نے اپنی مختصری وکالت کی پریکٹس سے ان کے لیے بنایا تھا۔ وہ لاء کے

آخری سال میں تھی' جب بابا نے یہ لاء فرم ارسل کے کہنے پر اس کے سرمائے کے ساتھ کھولی تھی اور ارسل ان سے تجربہ حاصل کرنے آتا تھا۔ بابا کو یہ لڑکا بے حد پسند تھا۔ جب بابا کی ناگہانی موت نے ان سب کو ہلا کر رکھ دیا تو یہ ارسل ہی تھا جس نے ان کو سہارا دیا تھا۔ سونیا نے اگرچہ امتحان پاس نہیں کیا تھا مگر ارسل نے پھر بھی اسے نوکری دی تھی۔ وہ تمام عمر آنٹی نانو کے ساتھ رہا تھا۔ دولت کی ریل پیل تو تھی مگر وہ پیار بھرے رشتے جو ہر انسان کی زندگی کا حصہ ہوتے ہیں' وہ اس کی زندگی سے غائب تھے۔ اول تو اس نے یہ پیار کی دولت دیکھی ہی نہیں تھی' ان کے وجود سے کیا آگاہی ہوتی' رہی سہی کسر اس کے پروفیشن نے پوری کر دی تھی۔ آئے دن کی طلاقوں اور جھگڑوں نے اس کا ان رشتوں سے اعتبار ہی اٹھا دیا تھا۔ پیار محبت' عشق' قربانی' وفا۔ یہ سب اسے فلمی باتیں لگتی تھیں۔ شادی بیاہ اس کے خیال میں ایک مجبوری کا نام تھا۔ سونیا کے والد مقبول صاحب کی وہ دل سے عزت کرتا تھا۔ اس نے اگر زندگی میں کچھ سیکھا تھا تو وہ مقبول صاحب سے سیکھا تھا۔ سوان کی فیملی کی مدد کرنا اس نے اپنا اولین فرض سمجھا اور اب تو اسے سونیا کی اتنی عادت پڑ چکی تھی کہ اس کا ایک دن بھی سونیا کے بغیر نہیں گزر سکتا تھا۔

ہمیشہ کی طرح آج بھی سونیا نے اس کے کام کو اپنے آرام پر ترجیح دی تھی مگر اب اس کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔

''آ گئیں تم؟ پتا ہے کیا وقت ہوا ہے؟ رات ہو چکی ہے۔ میں پوچھتی ہوں' یہ کس قسم کی نوکری ہے جو اتنی رات رات گئے تک چلتی ہے؟'' اس نے لاؤنج میں قدم دھرا ہی تھا کہ امی کی زبان چل پڑی۔

''آج کام کچھ زیادہ تھا امی!'' وہ تھکی تھکی سی صوفے پر گر گئی۔

''بھاڑ میں گیا ایسا کام۔ یہ بھی کوئی وقت ہے' شریف لڑکیوں کے گھر لوٹنے کا۔ لوگ کیسی کیسی باتیں بناتے ہوں گے۔ اب آئی کیسے ہو؟'' آمنہ بیگم کو اس کا دیر سے آنا ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ ان کا بس نہ چلتا تھا کہ سونیا کا آج بیاہ کر کے اس کی ذمہ داری سے فارغ ہو جاتیں' پر کیا کرتیں' مجبوریوں کی زنجیروں نے انہیں بری طرح جکڑا ہوا تھا۔ بیٹا ابھی پڑھ رہا تھا اور چھوٹی بیٹی تو ابھی سیکنڈ ایئر میں آئی تھی۔ ان کی ذمے داری کون اٹھاتا۔ جانتی تھیں کہ بے چاری سونیا ہی قربانی کا بکرا بنی ہوئی ہے پھر بھی وہ کہے بغیر باز نہ آتی تھیں۔

''ارسل صاحب چھوڑ گئے تھے امی! دیر جو اتنی ہو گئی تھی' پبلک سواری کہاں سے ملتی۔'' وہ آنکھیں موندے لیٹی رہی۔ جانتی تھی' اب اس بات پر بھی اسے سو سننی پڑیں گی۔

''بس اسی بات کی کمی رہ گئی تھی۔ جوان جہان لڑکا چھوڑنے آ رہا ہے۔ وہ کون سا بزرگ ہے۔ لوگ تو طرح طرح کی باتیں بنائیں گے نا۔'' آمنہ بیگم کا منہ بن گیا۔

''وہ ایک شریف انسان ہے امی۔ ہم پر ترس کھا کر اتنی لفٹ دیتا ہے ورنہ اسے لڑکیوں کی کیا کمی ہے۔'' سونیا جل کر اٹھ بیٹھی۔ کبھی کبھی وہ تنگ آ جاتی تھی ان باتوں سے۔

''ہائیں' تو کیا کسی کے ماتھے پر لکھا ہوتا ہے کہ وہ شریف ہے۔ محلے والوں کو تو لڑکا آتا جاتا نظر آتا ہے نہیں۔ وہ تو نہیں جانتے کہ یہ کون ہے۔ لوگ تو باتیں بناتے ہیں نا۔ جوان لڑکی سے نوکری کرواتی ہے ماں اور یہ کہ بیٹی ہاتھوں سے نکلی جا رہی ہے۔ کس کس کی زبان روکوں میں۔'' آمنہ بیگم بولے چلی گئیں۔

''کون کرتا ہے آخر آپ سے ایسی باتیں؟ کیا لوگ جانتے نہیں کہ بابا کے بعد ہمارے حالات کیا تھے؟'' سونیا زچ ہو گئی تھی۔

''سب ہی کہتے ہیں۔ خاندان والے بھی اور محلے والے بھی۔ کس کس کی زبان پکڑوں میں۔ رہنا تو ہے نا' ہمیں دنیا کے ساتھ۔ اکیلے زندگی کیسے گزر سکتی ہے۔ دنیا کو چھوڑا تو نہیں جاتا نا۔'' آمنہ بیگم کے مسلسل تبصرے پر سونیا ایک دم پھٹ پڑی۔

''کیوں نہیں رہ سکتے ہم ان کے بغیر؟ آخر ہمارے لیے کسی نے کیا ہی کیا ہے؟ کہاں تھے' یہ نام نہاد رشتے دار

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

جب ہم فاقوں مر رہے تھے؟ تب کیوں نہ ہم ان کے سہارے جی سکے؟ اس وقت ہمارے زخم کسی کو کیوں نہ نظر آئے؟ اس وقت تو کسی مامے چاچے نے نہ کہا کہ بیٹی تم جوان ہو دنیا خراب ہے۔ تمہاری ماں بوڑھی ہے ہم تمہارا سہارا بنیں گے۔ اب اگر کوئی ہماری مدد کر رہا ہے اور ہم اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے ہیں تو ان کو کیا تکلیف ہے۔ کیوں دنیا کو کھٹک رہا ہے ہمارا سکون۔ اور آپ بھی عجیب ہیں جو ان فضول سی باتوں پر کان دھرتی رہتی ہیں۔'' کوئی اور دن ہوتا تو سونیا ہمیشہ کی طرح آج بھی ماں کی باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتی مگر آج صبح ہی صبح پہلے نتاشا کا آنا پھر تمام دن کی تھکن اور اب ماں کی ناراضگی اسے تپا گئی۔ وہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ پائی۔ چند لمحے کو تو آمنہ بیگم ہکا بکا رہ گئیں۔

''ہاں ہاں کیوں نہ ڈانٹو گی ماں کو۔ کما کر جو لاتی ہو۔ میں تو یہ سوچ کر کہہ رہی تھی کہ تم اپنے گھر کی ہو جاتیں تو میں بھی پرسکون زندگی گزارتی۔ ماں تو اولاد کے بھلے کو ہی سوچتی ہے۔'' آمنہ بیگم بولتے بولتے رو پڑیں۔ سونیا تڑپ گئی۔

''پلیز' امی' سوری' میرا مطلب آپ سے گستاخی کرنا ہرگز نہ تھا۔ ارسل اچھا انسان ہے۔ اس کی نیت پر شک نہ کریں اور مجھ پر بھی اعتبار کریں۔ امی' یہ نوکری ہماری مجبوری ہے۔ بس ذرا اسد کا آخری سال گزر جائے پھر انشاءاللہ وہ بھی وکیل بن جائے گا۔ میری جگہ وہ لے لے گا۔ وہ تو پریکٹس بھی کرے گا۔ میری طرح صرف اسسٹنٹ نہیں ہوگا۔ بس پھر میں نوکری چھوڑ دوں گی اور جیسا آپ کہیں گی وہی ہوگا۔ رو کر مجھے گناہ گار نہ کریں امی! بس یہ یاد رکھیں کہ اس نوکری میں میری نسوانیت اور عصمت دونوں محفوظ ہیں۔ ہم پر ابھی مشکل وقت ہے اور امی' ایسے میں ارسل جیسے انسان کا سہارا ہم لوگوں کے لیے بہت ضروری ہے۔ وہ تو ہم سب کی بلکہ آپ کی تو بے حد عزت کرتا ہے۔'' سونیا ماں کے پیروں میں بیٹھ گئی۔

''آپ کی ناراضگی مجھے قبول نہیں امی اگر آپ کو اعتراض ہے تو میں چھوڑ دوں گی نوکری!'' اس نے ماں کے گھٹنوں پہ سر رکھ دیا۔

''نہ میری چندا' تو' تو میری بڑی پیاری بیٹی ہے۔ میرا ہی دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ واقعی ارسل بھی بڑا پیارا بچہ ہے۔ بڑی شرم' بڑی مروت والا۔ میرا مطلب اس کو برا بھلا کہنے کا نہ تھا۔ بس ماں ہوں نا۔ تیرا گھر بس جائے' یہی فکر کھائے جاتی ہے اگر ارسل ہی تجھ کو مانگ لے تو میری فکر ختم ہو جائے۔'' آخری جملہ انہوں نے ہولے سے کہا مگر سونیا نے سن لیا اور نظر انداز کر دیا۔

''اچھا چل' اٹھ کر منہ ہاتھ دھو لے' میں کھانا لے کر آتی ہوں۔'' آمنہ بیگم اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی آنسو پونچھتی اٹھ گئیں۔ کتنے یاد آتے تھے مقبول ایسے وقت میں۔ جوان اولاد کو تنہا سنبھالتے سنبھالتے وہ کبھی کبھی تھکنے لگتی تھیں۔ وہ سرد آہ بھر کر کھانا نکالنے لگیں۔

''میرا گھر بس جائے۔'' جاتے جاتے آمنہ بیگم سونیا کے سوچوں کے در وا کر گئیں۔ کتنے خوب صورت سپنے بنا کرتی تھی' وہ بھی بابا کی زندگی میں' اپنا ایک چھوٹا سا گھر' پیار کرنے والا جیون ساتھی' ننھے منے بچے' جن کی قلقاریوں سے اس کا بھی گھر گونجتا۔ پیارا سا گھر' چھوٹا سا لان جس کو وہ خود پھولوں سے سجاتی۔ ایک پیارا سا پورچ جو بوگن ویلا کی بیل سے ڈھکا ہوتا۔ نوکری کا تو اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ سپنوں کی نگری بھی کیسی جگہ ہے' انسان اس میں کھو کر سب کچھ بھول جاتا ہے۔

امی نے کھانے کی ٹرے سامنے رکھی تو وہ خیالوں سے چونک گئی۔

☆☆☆

ارسل کی ذاتی ڈاک کے جوابات دیتے دیتے تمام صبح بیت چکی تھی۔ رات کے معرکے کا اثر اب بھی سونیا کے ذہن پر تھا۔ اس نے کسلمندی سے باقی پڑے خطوط کی طرف دیکھا۔ ابھی آنٹی نانو کے کارڈ کا جواب بھی دینا تھا۔ وہ اس نے آخر کے لیے رکھا تھا۔ پہلے ارسل دیکھ لیتا تو کوئی جواب لکھتی۔ ذہنی تھکن تمام جسم میں اتر آئی تھی۔ اس نے کندھے ڈھیلے کر کے سر کرسی سے ٹکا دیا اور ہولے ہولے گردن کا مساج کرنے لگی۔

''آج تو صبح ہی صبح تھک گئی ہو مہک!'' ارسل کی آواز پر اس نے کوفت سے اسے دیکھا اور سیدھی ہو گئی۔ وہ ہاتھوں میں کاغذات کا ایک پلندہ لیے کھڑا تھا۔ سونیا نے ایک معنی خیز نظر گھڑی کی طرف ڈالی۔ دوپہر کا ایک بج رہا تھا اور وہ ابھی آفس آیا تھا۔

''میں گھر پر بھی کام ہی کر رہا تھا۔'' وہ اس کی نظروں کا مطلب سمجھ کر بولا۔ سونیا اسے جواب دیئے بنا ہی اپنے کام پر جھک گئی۔ ارسل کو غصہ آ گیا۔

''تم مجھے نظر انداز مت کیا کرو' مجھے بہت چڑ ہوتی ہے اس سے۔ یہ کام ٹائپ کر کے میری میز پر رکھو۔'' وہ کاغذات اس کی میز پر ڈھیر کر کے جانے ہی لگا تھا کہ اس کی نظر گلابی لفافے پر پڑی۔

''یہ کب آیا؟'' آنٹی نانو کا خط دیکھ کر ارسل کو جھرجھری آ گئی۔

''کل ہی پہنچا تھا۔ میں آپ کا ہی انتظار کر رہی تھی۔ آپ دیکھ لیتے تو جواب لکھ دیتی۔'' اس نے کارڈ ارسل کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''اچھا' اچھا۔'' وہ واپس پلٹ گیا۔

''ویسے سر....''

''ہوں!''

''ہیپی برتھ ڈے۔'' سونیا نے مسکراہٹ چھپا کر سنجیدگی سے اسے وش کیا۔ جانتی تھی کہ وہ چڑ جائے گا۔

''اوہ مہک یو!'' وہ غصے سے اس کی جانب بڑھا۔

''پلیز ارسل صاحب' اپنے جذبات پر قابو پائیں۔ تیس سال کی عمر کے بعد انسان کو اپنا خیال رکھنا شروع کر دینا چاہیے۔ جوانی ڈھلنی شروع ہو جاتی ہے۔ دیکھیے کل پارٹی اٹینڈ کی آج صبح سے کام۔ اتنی فاسٹ زندگی گزارنا آپ کی صحت کے لیے مضر ہو سکتا ہے۔'' سونیا مسلسل چھیڑے جا رہی تھی۔ اس نے کھا جانے والی نظروں سے سونیا کو گھورا تو اس کا اپنی ہنسی پر کنٹرول ختم ہو گیا وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''میں.... میں تم کو جان سے مار ڈالوں گا۔ کیا وہ تم تھیں جس نے کل نتاشا کو میری سالگرہ کا بتایا تھا؟'' ارسل غرایا تو اس نے ہنستے ہنستے نفی میں سر ہلا دیا۔

''اف میرے خدا! کتنی خوف ناک پارٹی تھی وہ' غبارے' ٹوپیوں والے دوست اور تو اور ہیپی برتھ ڈے کا گانا۔ جانے کیسے میں بچ گیا۔ میری کوئی دماغی رگ کیوں نہ پھٹی۔'' رات کی پارٹی کا منظر جو نگاہوں میں گھوما تو ارسل کے ایک بار پھر رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

''سچ؟ کیا واقعی اس نے یہ سب کیا؟'' بڑی مشکلوں سے رکی ہوئی ہنسی پھر بری طرح شروع ہو گئی۔ وہ ہنستے ہنستے بے حال ہو رہی تھی۔ ارسل کی نگاہیں لمحے بھر کو اس کے دلکش سراپے میں الجھ کر رہ گئیں۔ گلابی گالوں پر آتی شریر لٹیں اس کے ہنسی سے سرخ ہوتے چہرے کا ہالہ کیے ہوئے تھیں۔ صبیح چہرے پر خوب صورت ہنستے لب ارسل کو مبہوت کر گئے۔ اس پورے عرصے میں وہ پہلے کبھی کیوں اسے ایسی نظر نہ آئی؟ اس نے جلدی سے نظریں چرا لیں۔ وہ اب تک ہنسے جا رہی تھی۔

''اب یہ بھی بتا دو کہ آنٹی نانو کیا فرماتی ہیں؟'' اس نے بات بدل دی۔ بڑی مشکل سے سونیا نے اپنی ہنسی کو بریک لگائے۔

''آپ کی سالگرہ پر وش کیا ہے۔ دس ہزار کا چیک آپ کے غیر شادی شدہ ہونے پر اعتراضات کے ساتھ بھیجا ہے۔'' سونیا کے بتانے پر وہ اور چڑ گیا۔

''جانے ہر بندہ مجھ پر اتنا مہربان کیوں ہے۔ اپنے کام سے کام کیوں نہیں رکھتیں۔ خود تو کی نہیں شادی' چلی ہیں مجھے نصیحتیں کرنے۔ اپنا شوق تو مجھ کو پال کر پورا کر لیا نا اور تم ہی بتاؤ شادی میں رکھا کیا ہے۔ یہ تو چند دن کا ناپائیدار سا رشتہ ہے۔'' ارسل وہیں بیٹھ گیا۔

''یوں تو نہ کہیں۔ نہ ہونے کو تو واقعی یہ ایک ناپائیدار سا رشتہ ہے لیکن اگر جڑ جائے تو اس سے بڑھ کر اور کوئی مضبوط رشتہ بھی نہیں۔'' وہ اسے ٹوکے بنا نہ رہ سکی۔

’’مہک! اصل میں لوگوں نے اس رشتے کی بنیاد ہی غلط بنائی ہے۔ یہ محبت‘ عشق‘ پیار سب چندروزہ جذبات ہیں۔ شادی کے کچھ عرصے بعد جب ان کی پٹی آنکھوں سے اترتی ہے اور عشق کا خمار اتر جاتا ہے تو یہ ایک کھوکھلا سا بندھن رہ جاتا ہے۔ جس کو آج کل لوگ ایک منٹ نہیں لگاتے توڑنے میں۔‘‘ اس کی سوچ پر سونیا حیران رہ گئی۔

’’تو پھر آپ نے یہ پروفیشن اپنایا ہی کیوں۔ کتنے ٹوٹے رشتوں کا سبب تو آپ خود بن گئے ہیں۔‘‘ عرصے سے دماغ میں کلبلانے والا سوال اس کے لبوں پر آ ہی گیا۔ ارسل نے غور سے اس الجھتی ہوئی پیاری سی مخلص سی لڑکی کو دیکھا۔ جانے کتنے ہی سپنے آنکھوں میں لیے زندگی گزار رہی تھی وہ۔ کیوں وہ اس کے سپنے توڑ کر اسے حقیقت کی تلخ تصویر سے آشنا کرتا۔

’’چھوڑو‘ تم بھی کیا لے بیٹھیں۔‘‘ وہ اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

’’نہیں پلیز بتائیں نا‘ مجھے تجسس ہے کہ آخر آپ اگر طلاق کے اتنا خلاف ہیں تو پھر یہ سب کیا ہے؟‘‘ وہ اس کے پیچھے لپکی۔

’’بیٹھو!‘‘ وہ اپنی کرسی پر گر سا گیا۔ سونیا بھی بیٹھ گئی۔

’’لاء پڑھنے کے دوران میں نے بے تحاشہ ایسی عورتوں کو دیکھا جو ظالم شوہروں کے ساتھ شادی کے بندھن میں پھنسی گھٹ گھٹ کر زندگی گزار رہی تھیں۔ آدھی سے زیادہ تو اس زندگی سے نجات کا راستہ جانتی ہی نہ تھیں اور کچھ اگر طوق سے چھٹکارا چاہتی بھی تھیں تو انہیں خلع کے قانون کا کچھ علم نہ تھا۔ جو حق انہیں مذہب نے دیا ہے‘ وہ اس سے ہی بے بہرہ تھیں۔ ایسی ہی عورتوں میں خلع لینے کی ہمت اجاگر کرنے اور ان کو بہتر زندگی اپنانے کے لیے نئی راہ تلاش کرنے میں مدد کرنے کے لیے میں نے یہ پروفیشن اپنایا تھا۔ یہ سب میں نے ان کے لیے کیا جو برس ہا برس ظالم مردوں کی مار کھاتیں‘ گالی گلوچ برداشت کرتیں اور کبھی کبھی تو ان کے ظلم سہتے سہتے جان سے چلی جاتیں۔ مگر اتنے سالوں کی پریکٹس اور تجربے نے مجھے یہ سکھایا ہے کہ کچھ عورتیں تو آج بھی ویسے ہی گھٹ گھٹ کر جی رہی ہیں اور آج کل کی نئی نسل نے اس کو راہ فرار بنا لیا ہے۔ طلاق ایک فیشن بن گئی ہے۔ ہزاروں روپے لٹا کر ایک بندھن باندھا جاتا ہے اور اس سے کئی گنا لٹا کر اسے توڑ بھی دیا جاتا ہے۔ محض اس لیے کہ کسی کی کوئی عادت نہیں پسند آئی تو کوئی بور ہوگیا۔ سمجھوتا کرنا تو اس نسل نے سیکھا ہی نہیں۔ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے یہ محبت‘ پیار‘ عشق سب افسانوی باتیں ہیں۔ وفا‘ ایثار‘ خدمت اور لگن کا جذبہ شاید ہمارے والدین کی نسل کے ساتھ ہی ختم ہو چکا ہے۔ آج کل تو صرف گرل فرینڈز یا بوائے فرینڈز ہونے چاہئیں۔ بس وقت گزاری کے لیے۔‘‘ ارسل دل کا غبار نکال کر خاموش ہو چکا تھا۔ سونیا بھی خاموش تھی۔

کتنے مختلف تھے دونوں کے خیالات۔

وہ جو ایک چھوٹے سے گھر کے سپنے دیکھتی تھی۔ بچوں اور پیار کرنے والے شوہر کی متمنی تھی۔ اپنے گھر کو جنت بنانے کی خواہاں تھی اور دوسرا۔ ارسل جوان تمام جذبوں سے انکاری‘ وقتی رشتے استوار کرنے کے حق میں تھا۔

’’آنٹی نانو کو جواب کیا لکھوں؟‘‘ سونیا نے گہری خاموشی کو توڑا۔

’’جو دل چاہے لکھ دو۔ تحفے کا شکریہ بھی لکھ دینا۔‘‘ اس نے بات ختم کر کے اپنا قلم اٹھا لیا تو سونیا بھی اپنے کمرے میں چلی آئی۔

☆☆☆

’’آپ کچن میں کیا کر رہی ہیں؟ ماں کو سالن بناتے دیکھ کر سونیا کا موڈ آف ہوگیا۔ آج صبح ہی سے آمنہ بیگم کی طبیعت کچھ ناساز تھی۔ آج عاشی کی چھٹی تھی اور سونیا اسے خاص تاکید کر گئی تھی کہ امی کو آرام کرنے دے۔ وہ نوٹ کر رہی تھی کہ سب سے چھوٹی ہونے کا عاشی ناجائز فائدہ اٹھانے لگی تھی۔ اس وقت امی کو کچن میں دیکھ کر اسے سخت غصہ چڑھا تھا۔

’’میں نے صبح عاشی سے کہا بھی تھا کہ وہ آپ کو کام نہ کرنے دے۔ آخر وہ بات سنتی کیوں نہیں؟‘‘ سونیا غصے سے بولی۔

’’کوئی بات نہیں‘ میں کر جو رہی ہوں۔‘‘

’’لائیے‘ میں بنا لیتی ہوں۔ آپ چل کر کمرے میں آرام کریں۔‘‘ اس نے ماں کے ہاتھ سے چمچ لے لیا۔

’’ارے اب اتنی بھی بیمار نہیں ہوں۔ معمولی سی حرارت ہی تو ہے۔ میں کرلوں گی۔ عاشی بے چاری کی کبھی کبھی تو چھٹی آتی ہے۔ آج اس کا موڈ سونے کا ہو رہا تھا۔‘‘ آمنہ بیگم کی وضاحت اس کو تپا گئی۔

’’وہ بہت سر چڑھ گئی ہے امی۔ اب اس پر تھوڑی ذمہ داری ڈالنا شروع کریں۔‘‘

’’پہلے تم پر اتنی ذمے داریاں ہیں‘ اب دوسری پر بھی ڈال دوں۔ دل نہیں مانتا۔ بچی ہے وہ ابھی۔ ذرا بڑی ہوئی تو خود ہی سنبھل جائے گی۔ تم چل کر کپڑے تبدیل کرو میں کھانا نکالتی ہوں۔ بھائی اور بہن کو بھی بلا لو پھر تم لوگوں سے کچھ ضروری بات بھی کرنا ہے۔‘‘

اور کھانے کے دوران امی نے یہ اہم خبر سنائی۔

’’کیا؟‘‘ اسد حیران ہو کر بولا۔

’’سچ؟‘‘ عاشی خوشی سے چیخی۔

’’اوہ نو!‘‘ سونیا بڑبڑائی۔

آمنہ بیگم تقریباً ایسے ہی ردعمل کی متوقع تھیں۔ پھر وہ پوچھ بیٹھیں۔

’’تم سب کی ان باتوں سے کیا سمجھوں میں؟‘‘ انہوں نے سونیا کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ وہ دراصل اس کے خیالات جاننا چاہ رہی تھیں۔

’’خالہ ہمارے گھر آ رہی ہیں‘ یہ کچھ اتنی اچھی خبر تو نہیں؟‘‘ سونیا آہستہ سے بولی۔

’’آخر‘ وہ آ کیوں رہی ہیں۔ ہمارا گھر کب ان کی امارت کے شایان شان ہے۔‘‘ اسد اب بھی حیرت میں ڈوبا ہوا تھا۔ امارت کے زعم میں ڈوبی خالہ کا چہرہ اس کی نگاہوں میں گھوم گیا۔

’’امیر ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ ان کو امی سے پیار کم ہوگیا ہو۔ ظاہر ہے‘ بہن سے ملنے آ رہی ہوں گی اور پھر جو بھی ہو‘ مزا بڑا آئے گا۔ کتنے تو وہ تحفے تحائف لے کر آتی ہیں ہمیشہ۔‘‘ عاشی جذباتی ہو کر بولی۔

آمنہ بیگم اب بھی سونیا کے جواب کی منتظر تھیں۔

’’پہلے اتنے سال کہاں دبا رہا یہ پیار۔ ضرور کوئی غرض ہوگی ورنہ خالہ ایسے ہی کوئی کام نہیں کرتیں۔ نئی نئی ملی ہوئی امیری کافی دماغ کو چڑھی ہوئی ہے ان کے۔‘‘ ماں کی نظر اپنے اوپر محسوس کر کے وہ ہولے سے بڑبڑائی۔ اونچی بولنے کی ہمت نہ تھی مگر آمنہ بیگم اس پر ہی دھیان لگائے بیٹھی تھیں۔

’’بری بات سونیا! یوں کسی کی ہتک نہیں کرتے۔ آسیہ اتنی بری نہیں۔ اس کے بیٹے علی نے بڑی محنت سے یہ پیسہ کمایا ہے۔ اپنے وطن اور گھر بار سے دور رہنے کی قربانی دے کر یہ دولت حاصل کی ہے۔ یہ کوئی جرم تو نہیں اور ہم کیوں کسی سے گلہ کریں۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہی تو ہے ہمارے پاس۔‘‘ آمنہ بیگم اسے پیار سے سمجھانے لگیں۔

’’دیکھو سونیا‘ جب وہ آنے کو کہہ رہی ہے تو منع تو نہیں کیا جا سکتا نا۔ گھر آئے مہمان کی خاطر معاملات ہم پر لازم ہے۔ میں کچھ پیسے ہر ماہ بچت کر کے بینک میں رکھوا دیتی ہوں۔ کل ان میں سے نکلوا لانا۔ علی بھی آ رہا ہے۔ کچھ کمی نہ رہ جائے۔ وہ ہو سکتا ہے‘ ہفتہ دس دن رہے۔‘‘ آمنہ بیگم نے پلاننگ بھی شروع کر دی۔ اسد کو انہوں نے چیک لکھ کر دے دیا تھا۔

’’امی! مجھے بھی ایک دو نئے سوٹ سلوا دیں۔ خالہ کیا سوچیں گی ورنہ۔‘‘ عاشی لاڈ سے ٹھنکی۔

’’کیوں تمہارا رشتہ ہونے لگا ہے وہاں؟‘‘ سونیا کو اس کی ادا ذرا نہ بھائی۔ عاشی کو تو پیسے خرچ کرنے کا بہانہ چاہیے ہوتا تھا۔

’’کیا پتا ہو ہی جائے۔‘‘ وہ منہ چڑاتی کمرے سے بھاگ گئی۔ اسد بھی بدمزا سا ہو کر اٹھ گیا۔ وہ بھی اٹھ کر ان دونوں کے پیچھے جانے لگی کہ آمنہ بیگم نے اسے پکڑ کر بٹھا لیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''سونیا! عاشی صحیح کہہ رہی ہے۔ بے شک اس کا تو نہیں مگر تمہارا رشتہ یہاں ہوسکتا ہے۔ مجھے لگتا ہے' آسیہ اسی سلسلے میں آرہی ہے۔ ذرا اپنا خیال رکھنا۔'' آمنہ بیگم دل کی بات زبان پر لے ہی آئیں۔

''پلیز امی' آپ نے پھر امیدوں کے پل باندھنے شروع کردیئے۔ علی اور میں تقریباً ہم عمر ہیں۔ ایک دو سال کا فرق بھی کوئی فرق ہے اور سب سے بڑھ کر امی وہ لوگ اب بہت امیر ہوچکے ہیں۔ ان کا اور ہمارا میل اب ممکن نہیں۔ یہ بات آپ کی کیوں سمجھ میں نہیں آتی۔ ویسے بھی میں ابھی شادی بیاہ میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔'' وہ خفا سی اٹھ گئی۔

''اونہہ بی بنو کا موڈ نہیں۔ محترمہ کو شوق نہیں تو نہ ہوا کرے۔ ارے میرا تو فرض ہے نا کہ اس کا بیاہ کروں۔ میں تو اپنی سی پوری کوشش کروں گی کہ یہاں بات بن جائے۔ کماؤ' شریف اور خاندان کا لڑکا ہے اور کیا چاہیے۔'' تھیں نا روایتی ماں' جہاں لڑکا دیکھا' لگیں بننے اپنی بیٹی کے لیے تانے بانے!!

☆☆☆

بینک اسٹیٹ منٹ اور اسد کے ہاتھ میں پیسے دیکھ کر سونیا کا دل کٹ گیا۔

''کتنے پیسے امی نے نکلوا لیے ہیں' ان لوگوں کی خاطر مدارات کے لیے؟''

''آخر امی کر کیا رہی ہیں۔ مستقبل کا کچھ خیال نہیں ہے' کیا انہیں؟'' اسد ابھی ابھی اس کے پاس آیا تھا۔ اتنے پیسے نکلوانے پر وہ بھی پریشان تھا۔

''امی کہہ رہی تھیں کہ سیر و تفریح کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کو شاپنگ بھی کروائیں گے۔'' اسد نے اطلاع بہم پہنچائی۔

''اسد! امی یہ سب ٹھیک نہیں کر رہیں۔ ظاہری شوشا سے بھی کبھی رشتے استوار ہوئے ہیں اگر ہوئے بھی تو ناپائیدار ہی ہوں گے۔ تم امی کو سمجھاؤ نا۔ آسیہ خالہ کی تو عادت ہے' ہفتوں لوگوں کے گھر رہ پڑتی ہیں' خاطریں کروانے کے لیے۔ وہ تو علی کو کیش کر رہی ہیں۔'' سونیا تلخی سے بولی۔

''کوشش تو کروں گا۔ ان پیسوں کا کیا کروں؟'' اسد بے چارہ پریشان تھا۔

''ابھی تو یہ لے جاؤ ورنہ امی ناراض ہوجائیں گی کہ ان کی بات نہیں مانتے۔'' اسد کے جاتے ہی سونیا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ جانے امی کے دماغ میں یہ شادی کا کیڑا کیسے کلبلا گیا ہے۔

☆☆☆

''مہک' مہک یہ نتاشا کی آخری پیشی کے کاغذات ذرا مجھے دے جانا۔'' باہر سے آکر سیدھا اپنے آفس میں جاتے ہوئے اس نے جھانک کر سونیا سے کہا۔ اسے یوں سر پکڑے دیکھ کر وہ ٹھٹھک گیا۔

''کیا ہوا مہک؟ تم ٹھیک تو ہو؟'' وہ پریشان سا اس پر جھک آیا۔ وہ ہنوز خاموش تھی۔ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی۔

''مہک! طبیعت تو ٹھیک ہے۔ پلیز اس وقت بیمار نہ ہونا۔ مجھے تمہاری سخت ضرورت ہے۔ پتا ہے' نتاشا کے شوہر نے جوابی مقدمہ کردیا ہے۔'' سونیا اسے خالی نظروں سے دیکھے گئی۔

''مہک! کیا ہوگیا ہے؟''

''مسٹر ارسل! آپ کو ہر وقت اپنی پڑی رہتی ہے۔ کبھی کسی دوسرے کے بارے میں بھی سوچا ہے آپ نے' آپ کا ہر جملہ ''میں'' سے شروع ہوکر ''مجھ'' پر ختم ہوجاتا ہے۔ کبھی یہ بھی سوچا کہ آپ کے علاوہ بھی اس دنیا میں لوگ بستے ہیں۔ میں بھی انسان ہوں' مجھے بھی پرابلمز ہو سکتے ہیں۔ تنگ آگئی ہوں آپ کی اس ''میں'' سے۔'' گویا ضبط کے تمام بند ٹوٹ گئے تھے۔ اس نے اپنا تمام غصہ جھنجھلاہٹ میں ارسل پر اتار دیا۔ وہ حیرت کی تصویر بنا اسے ایک ٹک دیکھے جارہا تھا۔ یہ غصے سے لال بھبوکا چہرہ لیے کون تھی۔ اس کو ایسا لگا' جیسے آج پہلی بار وہ اسے نظر آئی ہو۔

سونیا شرمندہ ہوگئی۔ جانے کیوں اتنی جذباتی ہوگئی تھی وہ آج۔

''چھوڑو' نہ جانے مجھے اس وقت کیا ہوگیا تھا۔'' سونیا واقعی شرمندہ تھی۔

''نہیں' یہ فضول بات نہیں ہے اور ہاں میرا نام بھی صرف ارسل ہے۔ مسٹر ارسل نہیں' ہم دوست ہیں تو پھر اتنا تو حق بنتا ہے کہ ایک دوسرے پر خفا ہوسکیں۔''

''پلیز ارسل' میرا نام بھی مہک نہیں سونیا ہے۔ آپ بھی مجھے سونیا کہا کیجیے!''

''ہیں' سونیا! لیکن سونیا مہک کیسے بن گیا؟'' ارسل بڑ بڑایا۔

''میرا پورا نام سونیا مہک ہے اور آپ یہ بات جانتے ہیں۔''

''نہ جانے کیوں تم مجھے مہک ہی لگتی ہو۔ سونیا' ذرا سونا' سونا سا ہے۔'' ارسل اس کے نازک سے سراپے کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

''مسٹر ارسل! آپ نتاشا کے بارے میں بتا رہے تھے؟''

''اوہ ہاں' مسٹر ارسل نہیں صرف ارسل!''

''یہ تو مشکل ہوگا۔''

''ہم کولیگ ہونے کے ساتھ ساتھ دوست بھی تو ہیں۔ کیوں سونیا۔'' اس کے منہ سے اپنا نام اسے بے حد عجیب لگا۔ اجنبی اجنبی سا۔ پرایا پرایا سا۔ دل پر بھاری سا بوجھ آن پڑا تھا۔ وہ چپ سی ہوگئی۔

''اب اپنی مشکل بھی بتا دو۔ اب تو میں نے تمہیں سونیا بھی کہہ دیا ہے۔'' وہ پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔

اور پھر وہ بولتی چلی گئی۔ آنے والے مہمانوں کی پریشانی' امی کا رویہ سب کچھ اس سے شیئر کرتی چلی گئی۔

''امی کچھ سننے کو تیار نہیں۔ پیسہ بے دریغ لٹانے کو تیار بیٹھی ہیں۔'' وہ بے بسی سے بولی۔

''تمہاری تنخواہ میں ایک پیسے کا اضافہ نہ ہوگا۔'' تمام حالات سن کر ارسل بولا تو سونیا نے اسے اچنبھے سے دیکھا۔

''تنخواہ بڑھانے کی بات میں نے کب کی؟''

''دیکھو نا' تمہاری پریشانی کی اصل وجہ پیسے کی کمی ہے۔ تم مستقبل کے بارے میں سوچ سوچ کر گھبرا رہی ہو۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ پیسے کی پرواہ کرنے کے بجائے اپنے اندر اتنی خود اعتمادی پیدا کرو کہ جو فعل پسند نہ ہو' اس کو کرنے سے انکار کردو۔ اب اگر مہمان پسند نہیں تو ان کو آنے سے روک دو یا پھر ایک دو دن میں ان کو چلتا کردو اور ہاں تنخواہ بڑھنے کا خیال دل سے نکال دو۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''اور کام پر دھیان دو۔'' اس کے آخری جملے پر سونیا کا خون کھول گیا۔

''اول تو میں نے کبھی کوئی ایسی ڈیمانڈ نہیں کی مگر ریکارڈ کے لیے۔ میں اس آفس میں اتنا کام کرتی ہوں کہ میں ڈبل تنخواہ کی حق دار ہوں۔'' اس کا چہرہ تپ گیا تھا۔ ارسل دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا۔ چند لمحوں پہلے والی پریشانی چہرے سے غائب تھی۔

''مہک! لاء فرم کے اصول تم جانتی ہو۔ نو ریز۔ تنخواہ میں اضافے کے لیے اپلیکیشن دینی پڑتی ہے۔ وہ میرے ڈسک پر رکھ دو تو سوچوں گا۔'' اس کے ''مہک'' کہنے پر سونیا کو ہنسی آگئی۔ یہ شخص نہیں سدھر سکتا تھا اور یہ بھی سمجھ گئی تھی کہ وہ اس کا دھیان بٹا رہا ہے۔ سو ہولے سے مسکرا دی۔ ارسل نے ایک نظر اس کے مسکراتے آسودہ چہرے پر ڈالی اور مسکراتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

''کاغذات لے کر آؤ مہک۔'' اس نے چپکے سے جملہ اچھالا۔

''یس سر!'' وہ مسکراتی رہی۔ کتنا سہارا تھا اس بے لوث شخص کا' وہ اس دوستی سے کبھی بھی دور نہ ہونا چاہتی تھی۔

☆☆☆

''بجو' جلدی سے تیار ہو جاؤ نا۔ علی بھائی پکنک کا پروگرام بنائے بیٹھے ہیں۔'' عاشی کی آواز پر وہ چڑ گئی۔

''کون کون جا رہا ہے؟''

''ہم تینوں اور علی بھائی!'' عاشی نے اطلاع دی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

''امی اور خالہ نہیں جائیں گی؟'' ایک تو چھٹی کا دن ہوتا تھا' وہ بھی اب پکنک کے نظر ہونے والا تھا۔ اسے کوفت سی ہوئی۔

''نہیں' وہ دونوں شاپنگ پر جارہی ہیں۔ امی کو خالہ کے لیے سوٹ لینا ہے۔'' عاشی کپڑوں کی الماری میں سر گھسائے بولی۔

جب سے خالہ وغیرہ آئے تھے' سونیا عاشی کے کمرے میں شفٹ ہوگئی تھی۔ تین تو بیڈ روم تھے گھر میں' عاشی اپنا کمرہ دینے کو تیار نہ تھی' سو وہ ہی اس کے کمرے میں آگئی۔ اسد تو پہلے ہی امی کے ساتھ سوتا تھا۔ عاشی کے ساتھ رہنا کون سا آسان تھا۔ ہر دم شور مچائے رکھتی تھی۔ مہمانوں کی آمد نے اسے اور چنچل بنا دیا تھا۔ عاشی کی شوخیاں امی کی کوشش کہ وہ سونیا اور علی زیادہ سے زیادہ اکٹھے رہیں اور پھر پانی کی طرح پیسے کا استعمال' سونیا کو پاگل کرنے کے لیے کافی تھا۔ امی کی بے جا حرکتیں اسے سخت خار دلاتی تھیں۔

''بجو! کیا پہنوں؟'' عاشی دس جوڑے نکالے بیٹھی تھی۔

''کچھ بھی پہن لو۔'' وہ بے دلی سے بولی۔

''ہائے بجو' علی بھائی کیا سوچیں گے۔ کچھ تو اچھی لگوں نا!'' عاشی کی آواز میں جانے کیا تھا جس نے سونیا کو چونکنے پر مجبور کردیا۔ اس کی آنکھوں میں ان دیکھے سپنوں کی جوت سونیا کو گھبراہٹ میں ڈال گئی۔

''وہ کچھ دن سے علی کا رجحان بھی عاشی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ یہ سب باتیں اسے سوچ میں ڈالنے کے لیے کافی تھیں۔

ایک دم ڈور بیل بجی۔ بیل کی آواز پر وہ کسلمندی سے اٹھی۔

''اب کون آگیا۔ بجو پلیز دیر نہ کرنا۔'' عاشی جلدی سے باتھ روم میں گھس گئی۔

''ارسل! آپ؟'' دروازے پر کھڑے ارسل کو دیکھ کر اسے شدید حیرت ہوئی۔ وہ کم ہی ان کے گھر آتا تھا۔ وہ بھی بہت ہی ضروری کوئی کام ہوتو۔ یوں بلا اطلاع اور چھٹی والے دن تو وہ کبھی بھی نہ آیا تھا۔ اللہ خیر ہی کرے۔

''اندر آسکتا ہوں؟'' اسے دروازے کے بیچوں بیچ یوں کھڑے دیکھ کر ارسل نے پوچھا۔ وہ سائیڈ پر ہوگئی۔

''لاؤنج میں چلو؟ تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا تھیں۔'' وہ اس کی نگاہوں میں سوال پڑھ کر بولا۔

''آیئے!'' لاؤنج میں داخل ہوکر اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ ارسل اطمینان سے بیٹھ گیا۔ وہ بھی خاموشی سے بیٹھ کر اس کی بات کا انتظار کرنے لگی۔

''کیا ہوگیا ہے بھئی' کیا تمہارے گھر آنا منع ہے۔ میں آج فارغ تھا' سوچا چل کر ان مہمانوں کو بھی دیکھ لوں جو پچھلے ایک ہفتے سے مسلسل میری مہک کے حواسوں پر چھائے ہوئے ہیں۔''

''سر پلیز' نو مذاق' میں اس وقت ویسے ہی الجھی ہوئی ہوں۔ میری ہمت جواب دیتی جارہی ہے۔ یہ نہ ہو کہ ذہن کی تمام جھنجھلاہٹ آپ پر اتر جائے۔'' سونیا اس کے مذاق پر جل ہی تو گئی۔ یہاں مصیبت پڑی تھی اور ان محترم کو مذاق سوجھ رہا تھا۔

''اچھا' اچھا مگر یہ سر تو کہنا بند کرو۔ یہ گھر ہے' آفس نہیں۔''

''عادت سی پڑگئی ہے' کیا کروں؟'' سونیا بولی۔

''ابھی ابھی ارسل کہا تو تھا۔''

''وہ تو بے اختیار ہی منہ سے نکل گیا تھا۔'' سونیا نے وضاحت کی مبادا وہ اسے بے تکلفی سمجھ بیٹھے۔

''تو پھر سوچا ذرا کم کیا کرو۔'' ارسل کے جملے پر سونیا نے اسے خفگی سے گھورا۔

''اے مس! میں تمہارا باس ہوں۔ ذرا احتیاط سے گھورو۔'' ابھی سونیا کوئی سڑا سا جواب دینے ہی والی تھی کہ عاشی کمرے میں داخل ہوئی۔

''اوہ بجو' آپ اب تک تیار نہیں ہوئیں۔ ہمیں دیر ہورہی ہے۔ اسد بھائی کہہ رہے ہیں' آپ جائیں گی تو وہ جائیں گے۔'' ارسل کی جانب دیکھے بغیر وہ شروع ہوگئی۔

''عاشی! ارسل صاحب آئے ہیں۔'' اس نے نظروں ہی نظروں میں عاشی کو تنبیہہ کی۔

''آداب!'' اس نے لاپروا سا سلام ارسل کی طرف اچھال دیا۔

''میں نہیں جاسکتی عاشی۔ تمہی لوگ چلے جاؤ۔'' سونیا نے جان چھڑائی۔

''اگر میری وجہ سے...'' ارسل اٹھنے لگا۔

''نہیں' نہیں' آپ بیٹھیں۔ مجھے ویسے بھی نہیں جانا تھا۔'' سونیا نے اسے منع کیا۔

''تو بجو پھر اسد بھائی کو تو کہہ دیں۔ میرا کیا ہے' میں تو علی بھائی کے ساتھ بھی چلی جاؤں مگر امی مائنڈ کرتی ہیں' اکیلے ان کے ساتھ جانا۔'' عاشی یوں بولی' جیسے ماں غلط کرتی ہو۔

''مگر عاشی' میں گھر پر اکیلی....'' اس نے ارسل کی جانب دیکھ کر کہا۔ اپنی گھبراہٹ اس نے ظاہر نہ ہونے دی مگر عاشی سمجھ گئی تھی۔

''اوہو بجو۔ آپ سارا دن تو آفس میں ارسل بھائی کے ساتھ ہوتی ہیں۔ یہ کون سی انوکھی بات ہے۔'' وہ بے فکری سے بولی' یہ سوچے بنا کہ وہاں تو آفس کا پورا عملہ بھی ہوتا ہے۔

''عاشی!'' باہر سے علی نے پکارا تو وہ تیزی سے مڑ گئی۔

''میں جارہی ہوں۔ امی کو بتا دینا اور دروازہ بند کرلینا۔'' عاشی جھپاک سے کمرے سے نکل گئی۔ سونیا کچھ کہہ ہی نہ پائی۔ بس عاشی کے پیچھے ہلتے پردے کو ہی دیکھتی رہ گئی۔

''جو لوگ جتنا دوسرے سے دبتے ہیں' دنیا ان کو اتنا ہی دباتی چلی جاتی ہے۔'' ارسل اس کے کان میں بولا تو وہ بری طرح چونک گئی۔

''پلیز ارسل! یہ مذاق کا وقت نہیں۔'' وہ روہانسی ہورہی تھی۔

''بے وقوف لڑکی' مذاق کون کررہا ہے۔'' ارسل سنجیدگی سے بولا۔

''تو پھر آپ ہی بتائیں' میں کیا کروں؟ آپ نہیں جانتے' اس گھر میں کتنی مشکل صورت حال پیدا ہوچکی ہے۔ عاشی نے جانے یہ کیا نئی مصیبت شروع کردی ہے۔ امی کی سوچیں کسی اور دھارے پر بہہ رہی ہیں۔ دن بدن بڑھتے ہوئے خرچے' میں پاگل ہوجاؤں گی۔ کاش بابا ہوتے تو آج یہ سب کچھ ہمارے گھر میں نہ ہورہا ہوتا۔'' وہ انتہائی پریشان نظر آرہی تھی۔

''اصل مسئلہ کیا ہے؟'' ارسل نے پوچھا۔

''وہی جو آپ کو بتایا تھا۔ امی کے دماغ میں جانے کیوں میری شادی کا کیڑا کلبلا رہا ہے۔ کوفت ہوتی ہے مجھے ان سب باتوں سے۔ عاشی بہت سیلفش ہوتی جارہی ہے مگر امی سمجھتی ہی نہیں۔ ہر ذمے داری مجھ پر عائد ہوتی جارہی ہے۔ مجھے کوئی اعتراض بھی نہیں' ان ذمہ داریوں کو اٹھانے میں لیکن جو باتیں مجھے ناگوار گزرتی ہیں' جانے کیوں یہ سب وہ بھی میرے سر پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ جو کچھ اس گھر میں ہورہا ہے اور یہ جو دکھاوے کے لیے بے دریغ پیسہ لٹایا جارہا ہے' یہ سب غلط ہے مگر میں بول نہیں سکتی۔ بس غصہ پی کر رہ جاتی ہوں۔ میرا دم گھٹنے لگا ہے۔'' وہ بولتی چلی گئی۔ کوئی تو تھا جو اس کو سمجھ سکتا تھا۔

''اپنے حق کے لیے لڑنا سیکھو مہک۔ ظلم کرنے والے کے ساتھ ظلم سہنے والا بھی گناہ گار ہوتا ہے۔ مانا کہ بلاوجہ کے جھگڑوں سے بچنا اچھی عادت ہے لیکن مشکلات سے نظریں چرا لینے سے یا کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرلینے سے بھی مسائل حل تو نہیں ہوجائیں گے؟ دوسرے کے لیے بہت کچھ کرنا اچھا ہے لیکن کبھی کبھی انسان کو اپنے نفع نقصان کا بھی خیال کرنا پڑتا ہے۔ پلیٹ میں رکھ کر کسی کو کوئی شے نہیں ملتی۔ اپنے حق کے لیے خود لڑنا سیکھو۔ دنیا کمزور لوگوں سے سب کچھ چھین لیتی ہے۔ میرے ساتھ اتنے مقدمے بھگتاتی ہو پھر اتنا تو تم کو سیکھ لینا چاہیے تھا۔'' ارسل اسے دھیرے دھیرے سمجھانے لگا۔ وہ سر جھکائے سنتی رہی۔ وہ اب چپ ہوچکا تھا۔

''آپ کسی کام سے آئے تھے ناں؟'' اچانک سونیا کو یاد آیا۔

’’کام.... نہیں کام تو نہیں کہہ سکتے۔ بس ایسے ہی تمہاری اس دن کی باتوں کے بارے میں سوچتا رہا تھا اور پھر آنٹی‘ نانو کی بار بار کی نصیحتوں نے بھی کچھ سوچنے پر مجبور کردیا تھا۔ تم میری پرسنل اسسٹنٹ ہو۔ سوچ رہا تھا کہ تم سے بھی ڈسکس کرلوں۔ بس اسی لیے چلا آیا تھا۔‘‘ وہ کچھ جھجکتا ہوا سا کہہ رہا تھا۔ سونیا کو اچنبھا سا ہوا۔ ملک کا نامور وکیل بات کرنے سے گھبرائے‘ ایسا تو اس نے کبھی نہ دیکھا تھا۔

’’کیا بات کرنا چاہ رہے تھے؟‘‘ اس نے حوصلہ دینے کو پوچھا۔

’’وہ.... میں.... اصل میں آج تم سے ملاقات کے بعد... سوچتا ہوں کہ میں ٹھیک ہی سوچ رہا ہوں۔‘‘ ارسل رک رک کر بولا۔ جیسے اپنی ہی بات کی درستگی پر شک ہو اسے۔ وہ اب بھی سوالیہ نظروں سے ارسل کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ ارسل کے ماتھے پر پسینے کے قطرے چمک اٹھے تھے۔

’’ارے ارسل۔ ایسی کیا بات ہے۔ پلیز‘ بتائیں؟ اب تو میرا دل مزید گھبرا رہا ہے۔‘‘ وہ واقعی گھبرا گئی تھی۔ کہیں وہ اسے نوکری سے تو نہیں نکال رہا تھا۔

’’مہک‘ میں شادی کرنے لگا ہوں۔‘‘ ارسل نے گویا بم چھوڑا۔ سونیا کو بری طرح جھٹکا لگا۔ یہ بات تو اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھی۔

’’شادی؟‘‘ اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ ’’اچانک؟‘‘

’’ہاں‘ کیوں میں نہیں کرسکتا شادی؟‘‘ اتنے شدید ردعمل پر ارسل مسکرادیا۔ وہ ابھی تک پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

’’نہیں‘ نہیں میرا مطلب ہے‘ آپ تو شادی کے سخت خلاف تھے۔ یہ سب اچانک... کیسے؟‘‘ اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔

’’میں یہ عام قسم کی شادی کے خلاف ہوں۔ جس قسم کی شادی میں کرنا چاہتا ہوں‘ وہ ایسی شادی نہیں ہوگی۔‘‘ ارسل عجیب وغریب قسم کے بیانات دے رہا تھا۔

’’شادی کی بھی بھلا قسمیں ہوتی ہیں؟ یہ کیسی باتیں کررہے ہیں آپ آج۔ ہوش تو ٹھکانے ہیں۔ مسائل مجھے درپیش ہیں اور اثر آپ کے دماغ پر ہوگیا ہے۔ ویسے شادی کر کس سے رہے ہیں؟‘‘ سونیا اب سنبھل چکی تھی۔ سو ہنس کر بولی۔

’’بس ابھی سوچا ہی ہے‘ کوئی بات نہیں ہوئی ہے ابھی۔‘‘ وہ مزے سے بولا۔

’’ہیں؟‘‘ آج شاید حیرت کے سمندر میں ڈوبنے کا دن تھا۔ ’’تو کیا کسی تخیل سے شادی کا ارادہ ہے۔‘‘ سونیا کو ہنسی آگئی۔ وہ شاید مذاق کے موڈ میں تھا۔

’’نہیں‘ اب ایسی بھی بات نہیں۔ لڑکی تو ہے میرے ذہن میں لیکن سوچتا ہوں‘ جانے وہ میرے خیالات سے اتفاق بھی کرے گی کہ نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ جان لے کہ شادی کوئی فلم یا افسانہ نہیں ہوتی۔ جو محبت ان میں دکھائی جاتی ہے‘ وہ سب بکواس ہوتی ہے۔ یہ صرف انسانی خواہشات کو خوب صورت لبادہ پہنانے کے مترادف ہے۔ رومانس صرف جذباتیت ہے‘ عشق کی چوٹیوں پر صدا کوئی نہیں دیتا‘ جب یہ خمار ٹوٹتا ہے تو کھوکھلے پن کے علاوہ اس رشتے میں کچھ نہیں رہ جاتا۔ میں چاہتا ہوں جس سے میں شادی کروں‘ وہ رومانوی رشتے میں بندھنے کے بجائے آنکھیں کھول کر اس زندگی میں قدم رکھے۔ شادی ہمارے درمیان وہ معاہدہ ہوگا جو سدا کے لیے ہوگا۔ نہ وہ مجھ سے قسموں‘ وعدوں کی متمنی ہو اور نہ ہی میں اس سے کوئی امید وابستہ کروں۔ ہم اچھے دوست ہوں اور ایک دوسرے کو تمام خامیوں اور خوبیوں کے ساتھ قبول کریں اور حد سے بڑھ کر ایک دوسرے پر انحصار نہ کریں اور اگر ہمیں خدا اولاد جیسی نعمت سے نوازے تو اسے اپنی خواہشات کے حصول کے لیے‘ رسہ کشی میں استعمال کیے جانے والے رسے کی حیثیت سے استعمال نہ کریں۔‘‘ ارسل بے خودی میں بولے چلا گیا۔ ماضی کی تلخ یادیں آنکھوں میں پرچھائیوں کی طرح لرز رہی تھیں۔ وہ شاید اپنے حالات کے پیشِ نظر یہ سب کچھ

بول رہا تھا۔ کتنی عجیب سی بات تھی کہ ہم جن کے ساتھ اتنا عرصہ گزار لیتے ہیں' کبھی کبھی ان کے اصل کے بارے میں کچھ بھی نہیں جان پاتے۔

''ارسل' آپ نے کبھی اپنے والدین کے بارے میں نہیں بتایا۔'' سونیا نے دھیرے سے اس سے پوچھا۔

''میرے والدین وہ دو لوگ تھے جو رومانوی کہانیوں کی طرح ایک دوسرے کے ہوئے اور جب دنیا کے تلخ حقائق کا سامنا کرنا پڑا تو ان کے جذبے اس کسوٹی پر پورے نہ اتر پائے۔ ان کے درمیان کچھ باقی نہ بچا' ماسوائے میرے اور رسہ کشی میں رسے کو کیا محسوس ہوتا ہے' یہ مجھ سے بہتر شاید ہی کوئی جان پائے۔ اپنے ہوش میں ابو کو ہمیشہ لڑتے اور امی کو اپنے نصیب پھوٹ جانے پر روتے ہی پایا۔ آنٹی نانو امی کی رشتے کی خالہ تھیں اور ہمارے پاس والے بنگلے میں اپنے والدین کے ساتھ رہتی تھیں۔ جانے کیوں ان کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ شاید وہ بھی اس رشتے کی ناپائیداری سے واقف تھیں۔ بہرکیف وہ مجھے اپنے پاس لے جایا کرتی تھیں اور ایک دن روز روز کی چخ چخ سے تنگ آ کر ابو امی میں علیحدگی ہو گئی۔ میں ہمیشہ کے لیے آنٹی نانو کے پاس آ گیا۔ کورٹ کے چکروں میں' امی' ابو نے میرا رہا سہا پیار بھی کھو دیا اور میں نے جج سے آنٹی نانو کے پاس رہنے کی ریکوئسٹ کی۔ امی ابو کے حالات دیکھ کر مجھے آنٹی نانو کی گارجین شپ میں دے دیا گیا اور میری زندگی سنور گئی۔'' وہ چپ ہو چکا تھا۔

''لیکن جو کچھ آپ چاہتے ہیں وہ کوئی لڑکی بھی نہیں چاہے گی۔''

''سونیا' میرے خیال میں شادی ایک سمجھوتا' ایک طرح کی بزنس ڈیل ہونی چاہیے' جس میں دونوں فریق سوچ سمجھ کر حصہ لیں۔ یہ جان کر کہ یہ سودا تمام زندگی کا ہو گا' اس میں جذبات کی کوئی گنجائش نہیں ہو گی۔'' ارسل کی باتیں سونیا جیسی آئیڈیل کے بارے میں سوچنے والی لڑکی کی سمجھ سے بالاتر تھیں۔

''یوں کریں کہ اخبار میں اشتہار دے دیں کہ آپ کو ایک روبوٹ کی ضرورت ہے۔'' سونیا ہنس کر بولی۔

''پہلے تم سے کیوں نا پوچھ لوں۔'' ارسل ایک دم بولا۔

''کیا؟'' وہ سمجھ نہ پائی۔

''تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟'' وہ پھر اطمینان سے بولا۔

''کس بارے میں' آپ کی شادی کے بارے میں؟'' وہ سوالیہ انداز میں بولی۔

''میری بھی اور اپنی بھی۔'' اس نے انوکھی سی بات کہی۔

''مگر میری شادی کا کیا ذکر آ گیا؟'' اب وہ حیران تھی' یہ کس ڈگر پر گفتگو چل نکلی تھی۔

''کیوں' ابھی کچھ دیر پہلے تم یہ نہیں کہہ رہی تھیں کہ تمہارے لیے یہ بات ایک بڑی پرابلم بنی ہوئی ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے' تم کسی میں انٹرسٹڈ بھی نہیں ہو تو پھر میری تجویز پر غور کرنے میں کیا حرج ہے۔'' وہ بولا۔

''آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں؟ میں کچھ سمجھی نہیں؟''

''مجھ سے شادی کرو گی؟ اس سے تمہاری بھی پرابلم حل ہو جائے گی اور میری بھی۔'' وہ لگی لپٹی کیے بغیر بولا۔

''کیا؟'' سونیا ساکت ہو گئی۔ تو اتنی دیر سے اس بات کی تمہید باندھی جا رہی تھی۔

''اس میں ہرج ہی کیا ہے۔''

''ابھی میں اتنی مشکل میں نہیں پھنسی مسٹر ارسل اور نہ ہی میری کوئی عمر نکلی جا رہی ہے جو میں ایسے سمجھوتے کروں۔ آپ کو لڑکی کی نہیں' جذبات سے عاری ایک روبوٹ کی ضرورت ہے اور وہ میں ہرگز نہیں ہوں۔'' وہ اس کی باتوں پر سیخ پا ہو گئی۔

''اس میں اس قدر غصہ ہونے کی کیا بات ہے۔ میں نے اگر تمہیں کوئی جھوٹے خواب نہیں دکھائے تو کیا برا کیا اگر میں تم سے رومانوی جملے بولتا تو کیا تم راضی ہو جاتیں۔ شاید نہیں۔ مگر پھر کیا ہوتا۔ میرے خیال میں عشق و محبت کی باتوں اور قسموں' وعدوں سے زیادہ شادی میں

ایک دوسرے پر اعتماد اور ایک دوسرے سے انڈر اسٹینڈنگ ہونا زیادہ ضروری ہے اور یہ سب کچھ ہمارے مابین ہے۔'' ارسل نے اسے دھیرج سے سمجھایا۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے۔'' سونیا بھی دھیمی پڑ گئی تھی۔ باتیں اس کی بھی صحیح تھیں۔ ''مگر میرے خیالات آپ سے ذرا مختلف ہیں۔ شادی سمجھوتا نہیں محبت کی تکمیل ہونی چاہیے۔ روحوں کا ملاپ ہونا چاہیے' ایک دوسرے سے پیار ہو گا تو باقی باتیں خود بخود ہوتی جائیں گی۔ اگر محبت کا جذبہ ہی نہ ہو تو ہر چیز بے معنی ہو جاتی ہے۔ ارسل! میں بالکل عام سی مشرقی لڑکی ہوں' پیار کرنے والا شوہر' بچے اور ایک چھوٹا سا جنت کا نمونہ گھر ہی میرے خواب ہیں۔ اپنے خوابوں سے میں کیسے دست بردار ہو جاؤں۔ چاہے آپ کتنے ہی ٹھیک کیوں نہ ہوں' میں یہ سب نہیں کر سکتی۔ رہی بات میرے مسئلے کی تو اس کا بھی کوئی حل خدا نکال ہی دے گا۔'' محبت پر لیکچر دیتی سونیا اس کی مہک سے کتنی مختلف لگ رہی تھی۔

''تو پرابلم مہک! اللہ کرے تمہارے تمام خواب پورے ہو جائیں۔'' ارسل نے تہہ دل سے اسے دعا دی۔ وہ شرمندہ سی ہو گئی۔ جذبات میں جانے کیا کیا بول گئی تھی۔ منہ شرم سے سرخ ہو گیا۔

''چلتا ہوں' کل آفس میں ملاقات ہو گی۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ سونیا نے کن اکھیوں سے اس کی جانب دیکھا۔ شاید اپنے پرپوزل پر انکار نے اسے ناراض کر دیا تھا مگر وہ بے تاثر سا چہرہ لیے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

''آپ خفا ہیں کیا؟'' اس نے ہولے سے پوچھا۔

''بالکل بھی نہیں' انکار کرنا تمہارا حق ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ میں مان بھی جاؤں۔ ہو سکتا ہے پھر ٹرائی کروں۔'' وہ شاید مذاق کر رہا تھا۔ سونیا نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ کھل کر مسکرا دیا۔ سونیا کو بھی ہنسی آ گئی۔ وہ مذاق ہی کر رہا تھا۔ ایک بوجھ سا اس کے دل سے اتر گیا۔ وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ ارسل کے چہرے پر آئی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ وہ اب بالکل سنجیدہ سا اسے باہر جاتا دیکھ رہا تھا۔ جانے کیوں دل بوجھل سا ہو گیا تھا۔ مگر سونیا کو وہ پریشان نہیں کر سکتا تھا۔

''چلیں؟'' وہ رک گئی۔

''ہاں!'' وہ بھی باہر نکل آیا۔

''اچھا اللہ حافظ!'' وہ گاڑی میں بیٹھ گیا۔

''اف کتنے عجیب تھے' پچھلے چند گھنٹے۔'' سونیا اندر آ کر بیڈ پر گر سی گئی۔ وہ ذہنی طور پر بے حد تھکا تھکا سا محسوس کر رہی تھی۔ وہ تو پہلے ہی پریشان تھی۔ ارسل کے پرپوزل نے اسے مزید پریشان کر دیا تھا۔ کاش ارسل نے سمجھوتا کرنے کے بجائے اس کو دل سے اپنانے کی خواہش کی ہوتی۔'' ایک انجانی سی تمنا دل میں اٹھ کر معدوم ہو گئی۔ اپنے خیال پر اسے خود ہنسی آ گئی۔ کہاں وہ اور کہاں ارسل۔ ''میرا بھی دماغ لگتا ہے' ہل گیا ہے۔ وہ ایک تلخ انسان ہے۔ میرا کہاں گزارا ہو گا ایسے بندے کے ساتھ۔'' اس نے ارسل کی تمام باتیں دماغ سے نکال دیں۔

☆☆☆

''آسیہ خالہ نے علی کے لیے تمہارا رشتہ مانگا ہے۔'' عاشی کی نفرت بھری آواز پر سونیا نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ابھی ابھی تو آفس سے لوٹی تھی کہ یہ آفت آن پڑی۔ اس نے بیگ کرسی پر پھینکا۔

''کیا فضول بول رہی ہو۔'' وہ بیڈ پر بیٹھ کر سینڈل اتارنے لگی۔

''زیادہ نادان نہ بنو بجو۔ کتنی محنت کی خالہ کو شیشے میں اتارنے کے لیے؟'' عاشی نے طنز میں ڈوبا تیر چلایا۔

''تمیز کے دائرے میں رہ کر بات کرو عاشی۔'' سونیا کو بھی غصہ آ گیا۔ وہ خوامخواہ ہی بے قصور پس رہی تھی' ان سب کے درمیان۔ اور امی کی آمد پر عاشی کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ ایک قہر بھری نگاہ سونیا پر ڈال کر وہ کمرے سے نکل گئی۔ سونیا اسے نظر انداز کر کے امی کی طرف متوجہ ہو گئی۔ خوشی سے ان کا چہرہ دمک رہا تھا۔ جانے کیوں وہ عاشی اور علی کا ایک دوسرے کی طرف رجحان نہیں دیکھ پائی تھیں۔ سونیا کی نظروں سے تو کچھ پوشیدہ نہ تھا۔ عاشی ہی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

نہیں علی بھی عاشی میں بہت دلچسپی لے رہا تھا۔ امی کیوں انجان بن رہی تھیں؟'' سونیا کو غصہ آ گیا۔

''میری جان' میری من کی مراد بن آئی۔ آسیہ نے علی کے لیے تجھے مانگا ہے۔ یااللہ تیرا شکر ہے۔ میری فکروں میں کمی ہوئی۔'' وہ اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگیں۔

''یہ نہیں ہو سکتا امی۔'' سونیا نے چڑ کر ان کا ہاتھ پرے کر دیا۔ ''علی مجھے نہیں عاشی کو پسند کرتا ہے۔ کسی نے اس سے بھی پوچھا ہے؟'' ماں کی خفگی بھری نظروں کی پروا کیے بغیر اس نے آمنہ بیگم سے کہا۔

''باؤلی ہوئی ہے کیا لڑکی۔ ہمیں اس سے کیا کہ ماں نے اپنے بیٹے سے پوچھا کہ نہیں۔ ارے بیٹا ہے اس کا پوچھا ہی ہوگا اور اب عاشی والی بات نہ سنوں میں تمہارے منہ سے۔ اس کا کیا ہے۔ وہ بھی بچی ہے۔ اس کا میں ابھی سے کیوں سوچوں گی۔'' آمنہ بیگم کو غصہ آ گیا۔ مشکلوں سے تو کوئی اچھا رشتہ آیا تھا۔ کیا کیا جتن نہیں کیے تھے' آمنہ بیگم نے اس دن کے لیے۔ پیسہ پانی کی طرح بہایا تھا کہ بیٹی کی نیا پار لگ جائے اور اب یہ بے وقوف لڑکی گھر آئی نعمت کو لات مارنے کو کہہ رہی تھی۔

''امی! کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ عاشی اب اتنی بچی بھی نہیں ہے۔ ویسے بھی مجھے علی اس طرح سے پسند نہیں ہے۔'' وہ ماں کو سمجھانے لگی۔

''اے بس' اپنے فلسفے اپنے پاس رکھو۔ میں تو آسیہ کو کبھی خالی ہاتھ نہ لوٹاؤں گی۔'' بیٹی کی بے وقوفی پر ان کا دل چاہا' اپنا سر پیٹ لیں۔

''امی! کہیں ہاں تو نہیں کر دی آپ نے خالہ کو؟'' یہ سوچ کر ہی سونیا کو ہول آ گیا۔

''خیر اب اتنی جلدی بھی نہیں۔ ابھی تو اس نے رشتہ ہی ڈالا ہے۔ ذرا سی پس و پیش تو کروں گی ناں! یہ بڑے نازک معاملے ہوتے ہیں۔ اتنی بے صبری نہیں دکھانی چاہیے لیکن تم کان کھول کر سن لو یہ رشتہ ضرور ہوگا۔ بہت کر لی تم نے اپنی من مانی' اب میری مرضی چلے گی۔ بہت ہو گئی یہ نوکری ووکری۔ مجھے تو ویسے بھی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی تمہاری یہ نوکری۔ اب اتنے اچھے رشتے کو تو میں اس کے پیچھے نہیں گنوا سکتی۔ محترمہ کے مزاج ہی نہیں مل رہے جیسے کہ اس کے لیے رشتوں کی لائن لگی ہوئی ہے۔ اے میں پوچھتی ہوں' باپ کون سی جائیداد چھوڑ گیا ہے یا تم کون سی حور پری ہو کہ لوگ مرتے جائیں گے۔ شکر نہیں کرتی' امیر خالہ نے پوچھ لیا۔ محترمہ کو فکر پڑی ہے چھوٹی کی۔'' آمنہ بیگم نے اچھی خاصی ڈانٹ پلا دی۔ جانے اتنی تلخ باتیں کیسے ان کی زبان سے ادا ہو رہی تھیں۔ شاید دل کا چور یہ بولی سکھا رہا تھا۔ وہ بھی آخر ماں تھیں۔ عاشی کی آنکھوں میں ڈولتے خوب صورت سپنوں کے عکس ان کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ تھے مگر کیا کرتیں۔ سونیا کا بیاہ ان کی مجبوری تھی۔ سونیا عاشی سے بڑی تھی اور عاشی کے پاس تو ابھی بڑا وقت پڑا تھا۔ آمنہ بیگم اس وقت صرف اور صرف اپنی اس بے لوث بیٹی کے مستقبل کے بارے میں فکرمند تھیں۔

''امی پلیز' یہ غلط ہے۔ عاشی کی بات نہ بھی کریں تو بھی مجھے علی سے کوئی شکایت نہیں۔ ماسوائے ایک کزن کی حیثیت کے میں نے اسے کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا۔ آپ سمجھتی کیوں نہیں۔'' ماں کی دو ٹوک بات پر وہ منتوں پر اتر آئی۔ ''میری اس سے کوئی ذہنی مطابقت نہیں ہے۔''

''تو پھر جس سے ذہنی مطابقت ہے' اس کا نام بتا دو' میں وہاں تمہاری بات پکی کر دوں گی۔ اگر وہ ارسل ہے تو میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' امی کی منطق پر وہ حیران رہ گئی۔

''ارسل کا ذکر کیسے آ گیا؟'' وہ جز بز ہو کر بولی۔

''تو پھر آخر تم کیا چاہتی ہو۔ ارسل کا ذکر بھی نہ کروں' مجھ سے بھی شادی نہیں کرتی تو پھر کرنا کیا ہے۔ بیاہ تو تمہارا اب ہوگا ہی۔ مجھ سے اب تمہارا بوجھ اور نہیں اٹھایا جاتا۔'' آمنہ بیگم زچ ہو چکی تھیں۔

''بوجھ؟'' میں آپ پر بوجھ ہوں امی؟'' سونیا دکھی ہو گئی۔

''جوان بیٹیاں ماں باپ پر بوجھ ہی ہوتی ہیں۔ وہ جتنی جلدی اپنے گھر کی ہو جائیں' اتنا ہی اچھا ہے۔'' آمنہ بیگم کمرے سے نکل گئیں۔ سونیا کو سوچوں کے گرداب میں ڈوبتا ابھرتا چھوڑ کر۔

''کیا کروں' کیا نہ کروں؟ امی میری کوئی بات سننے کو تیار نہیں۔ چھوٹی بہن بدگمانیوں کا شکار ہو رہی ہے اور پھر یوں بھی اس کی خوشیوں کی قبر پر میں کس طرح اپنے سپنوں کا محل کھڑا کر سکتی ہوں۔ ''یااللہ! تو ہی کوئی مدد کر' کوئی راہ دکھا' میرا تو ذہن مفلوج سا ہو کر رہ گیا ہے۔'' مستقل سوچنے سے اس کی کنپٹیاں دکھنے لگی تھیں۔ اتنی پریشان اور اکیلی تو وہ بابا کی وفات کے بعد بھی نہ ہوئی تھی۔

مسلسل تین دن کی جذباتی رسہ کشی نے سونیا کو بے حد سست کر دیا تھا۔ آفس کے کام میں بھی دل نہ لگتا تھا۔ ارسل مسلسل اس کی غیر حاضر دماغی نوٹ کر رہا تھا مگر کچھ بولا نہ تھا' جانتا تھا کہ وہ گھر کے حالات سے پریشان تھی۔ جانے کیوں یہ پیاری سی لڑکی اس کے گرد ہر وقت رہنے لگی تھی۔ ارسل کا بس نہ چلتا تھا کہ اسے تمام پریشانیوں سے نجات دلا دیتا مگر وہ کوئی مدد لینے کو تیار ہوتی تب نا!

اب بھی کام سے الجھتی' ماتھے کو رگڑتی سیدھی اس کے دل میں اترتی جا رہی تھی۔

''دل میں' یہ میں نے دل کی باتیں سننا کب سے شروع کر دیں لگتا ہے' مہک کا اثر مجھ پر بھی ہوتا جا رہا ہے۔'' وہ اپنی بے وقوفی پر ہنس کر اپنے کام پر جھک گیا اور اس کی نظروں سے بے خبر سونیا اپنی ہی الجھنوں کے سرے ڈھونڈنے میں لگی ہوئی تھی۔ اتنے دن سے وہ الگ الگ سب کے ساتھ سر کھپا رہی تھی۔ آسیہ خالہ سے تو خیر سوال ہی نہیں تھا' کوئی بات کرنے کا' امی سے بات کر کے بھی دیکھ لیا تھا۔ عاشی کی ستی ستی سی شکل دیکھ کر وہ خود کو مجرم محسوس کرتی تھی۔ جس دن سے یہ قصہ شروع ہوا تھا' عاشی کو ایک نامعلوم سی چپ لگ گئی تھی۔ اسد خاموش تماشائی بنا سب دیکھ رہا تھا مگر کچھ کرنے سے قاصر تھا۔

''آخر تم خود اپنی امی سے بات کیوں نہیں کرتے؟'' پھول کا نشان آج علی اتفاقیہ طور پر اس کو اکیلا ملا تو وہ پھٹ پڑی۔ اس کو علی پر بے حد غصہ آ رہا تھا۔ عاشی کو سہانے خواب دکھا کر اب بزدل بن گیا تھا۔

''سب کو میری ہی پتلی گردن ملی ہے' دبانے کے لیے۔ اگر پیار کیا ہے تو سب کے آگے مقابلے کے لیے کھڑے ہونے کی ہمت بھی تو رکھنی تھی۔ یہ کیا لڑکیوں کی طرح ''مجبور ہوں'' کی اوٹ میں چھپے بیٹھے ہو۔'' وہ سر جھکائے علی پر برس رہی تھی۔

''دس دفعہ تو امی سے لڑ چکا ہوں۔ وہ اکیلی تو نہیں ہیں نا۔ آمنہ خالہ بھی تو ہیں۔ ان کی بھی تو امی کو شہہ ہے۔ امی کے دماغ میں بھی جانے کیا الٹی سیدھی باتیں سما گئی ہیں۔ کہتی ہیں' سونیا ہمیں سوٹ کرے گی۔ نوکری کرتی ہے' سمجھدار ہے۔ کما کر لائے گی تو مجھ پر کوئی ذمے داری نہ ہو گی۔ ان کو سمجھا سمجھا کر تھک گیا ہوں کہ تمہارا پیسہ ہمیں کیا کرنا ہے۔ اتنا تو کما رہا ہوں میں مگر لالچ نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے۔ میری کمائی وہ صرف خود خرچ کرنا چاہتی ہیں۔ تم کما کر لاؤ گی تو تمہارا خرچہ ان کو نہیں اٹھانا پڑے گا۔ میں نے ان کو صاف بتایا تھا کہ تم مجھے بالکل پسند نہیں ہو۔ میری پسند عاشی ہے مگر وہ کچھ سننے کو تیار نہیں۔ تم نہ ہوتیں تو وہ شاید عاشی کے لیے راضی ہو جاتیں کیونکہ تم عمر میں تقریباً میرے برابر ہو۔ یہ بات ان کو کھل رہی ہے مگر تمہاری نوکری ان کو بہت پرکشش لگ رہی ہے۔'' آخر میں اس نے سونیا کو گھور کر دیکھا' جیسے سارا قصور اس کا ہو۔ سونیا کو ہنسی آ گئی۔ کتنی معصومیت سے اس کی ذات کو زیرو کر کے رکھ دیا تھا' علی نے اور اب خود ہی اس سے خفا ہوا بیٹھا تھا۔

''آخر تم یہ نوکری چھوڑ کیوں نہیں دیتیں۔ سب جھگڑا ہی ختم ہو جائے گا۔'' علی نے مشورہ دیا۔

''ہرگز نہیں۔'' وہ تڑپ کر بولی۔ جانے کیوں اس نوکری کا چھوڑنے کا تو وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

''کیوں؟ آخر ایسی کیا بات ہے؟'' علی نے حیران ہو کر اس کے ردعمل کو نوٹ کیا۔

''بس! اور ویسے بھی تم تو عاشی کو لے کر پھر ہو جاؤ گے اور میرا اور میرے گھر کا کیا ہوگا۔ ہم تم لوگوں کی طرح امیر نہیں ہیں۔ اس بات کو جانے دو۔ میں خود ہی کوئی راہ نکال لوں گی۔'' علی کی نظروں سے شرمندہ ہو کر وہ وضاحت کرنے لگی۔

''پھر اب کیا ہوگا؟'' وہ سوچنے لگا۔ یک دم اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ ''تم خود کسی سے شادی کیوں نہیں کرتیں۔'' اس نے خوش ہو کر کہا۔ اپنی تجویز اسے خود ہی پسند آ گئی تھی۔

واہ کیا مشورہ دیا ہے۔ کس سے کرلوں شادی۔'' اپنی شادی کے ذکر سے وہ جل کر بولی۔ ہر کسی کو اس کی فکر پڑی ہوئی تھی۔ لگتا تھا جیسے وہ 23 سال کی نہیں چالیس سال کی ہوگئی تھی۔

''بھئی تم مردوں کے ساتھ کام کرتی ہو۔ کوئی ایک تو ہوگا جو اس قابل ہو۔'' علی کے کہنے پر ارسل کا تصور چھم سے اس کی آنکھوں میں آ بیٹھا مگر اس نے سر جھٹک دیا اور کچھ بولے بنا ہی اٹھ گئی۔ اب بھی وہ اسی مسئلے پر الجھی ہوئی تھی۔

''ٹھک ٹھک۔'' ارسل نے زور سے اس کی میز کو بجایا تو وہ چونک گئی۔

''اینی پرابلم مہک! سوائے وہی پرانی کے۔'' ارسل نے مسکرا کر پوچھا۔

''نو سر!'' وہ سر جھکا کر بولی۔

''کوئی مشکل نہیں ہے یا کوئی نئی پرابلم نہیں ہے۔'' وہ اس کے ڈیسک کے کونے پر ٹک گیا۔

''نئی پرابلم نہیں ہے۔'' وہ مسکرا کر بولی۔ اس شخص سے جب بھی بات کرتی تھی' دل کا بوجھ کچھ ہلکا محسوس ہوتا تھا۔ مشکل غائب تو نہیں ہوتی تھی مگر اس کی شدت میں کمی لگتی تھی۔

''ہم نے تکلفات کی دیوار گرانے کا فیصلہ کیا تھا پھر یہ ''سر'' دوستی میں کہاں آ گیا۔'' اس نے پیار سے پوچھا۔

''سوری ارسل!''

''ہوں' یہ ہوئی نا بات۔ تم کچھ کمزور لگ رہی ہو۔ کچھ دن کی چھٹی کیوں نہیں لے لیتیں۔ ریسٹ کرو گی تو ذہن ہلکا ہو جائے گا پھر بہتر فیصلہ کر سکو گی۔'' وہ ہر طرح سے سونیا کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ سونیا اسے عقیدت سے دیکھنے لگی۔ اس نے ارسل کا پرپوزل ریجیکٹ کر کے اسے دکھی کیا تھا پھر بھی وہ اس سے ہمدردی کر رہا تھا۔

''کوئی اور ہوتا تو شاید مجھ سے بات کرنے کا بھی روادار نہ ہوتا مگر ارسل نہیں۔ اس کی دوستی بے لوث اور غیر مشروط ہے۔ اسی لیے تو یہ مجھے اتنا پیارا ہے۔'' وہ سوچتے سوچتے رک گئی۔ ''پیارا ہے؟ یا مجھے اس سے پیار ہو گیا ہے۔'' سونیا کو پسینہ آ گیا۔

''مہک! تم ٹھیک تو ہو۔'' اس کی آواز پر سونیا نے گھبرا کر اس کی جانب دیکھا۔ کہیں وہ اس کی کیفیت سمجھ تو نہیں گیا؟

''میرا خیال ہے' تم ایک ہفتے کی چھٹی لے لو۔ چلو کام سمیٹو۔'' وہ اس کو پریشان دیکھ کر بولا۔

''کتنا خیال رکھتا ہے یہ میرا لیکن میرے لیے اپنے دل میں کچھ نہیں رکھتا' سوائے دوستی یا ہمدردی کے۔'' وہ سوچے چلی گئی۔

''مہک.... سونیا!'' اس کے منہ سے اپنا نام سن کر وہ فوراً ہوش میں آ گئی۔

''نہیں ارسل' اس کی ضرورت نہیں۔'' اس نے اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کی۔ نئے نئے جذبات تھے' وہ خود بوکھلا گئی تھی۔ اس کی بگڑتی حالت ارسل سے پوشیدہ نہ تھی مگر وہ سمجھا' شاید گھر کی وجہ سے پریشان ہے۔

''اور کوئی بہانہ نہیں۔ جب میں کہہ رہا ہوں تو تم مت گھبراؤ۔ کام کچھ دن چل جائے گا۔'' اس نے زبردستی اسے گھر بھیج دیا۔

گھر آ کر بھی وہ انہی خیالوں میں گم رہی۔

''یہ راہیں مجھے کہیں نہیں پہنچا والی۔ وہ ان راہوں کا راہی نہیں۔ محبت پر اس کا یقین نہیں۔ وہ مجھ سے دوستی مانگتا ہے۔ انڈراسٹینڈنگ مانگتا ہے' پیار نہیں۔'' دماغ

نے کہا۔ ''لیکن میں تو اسے چاہتی ہوں۔'' اس کے دل نے دہائی دی۔

''اس کی زندگی میں پیار محبت کے لیے کوئی جگہ نہیں۔'' دماغ کی سرزنش پر وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ پہلے کیا کم مشکلات تھیں کہ یہ ایک نئی آزمائش پڑ گئی تھی۔ ''شکر ہے' کچھ دن تو اس کا سامنا نہ ہوگا۔ میں خود ہی اپنے دل کو سمجھا لوں گی۔'' اس نے اپنے آپ کو جھوٹی تسلی دی۔ امی کو چھٹی کا بتا کر وہ کمرے میں آ گئی۔ کچھ دن تو چین کے گزریں گے مگر یہ اس کی خام خیالی تھی۔ امی اور خالہ نے مل کر اسے علی کے لیے ہاں کرنے کے لیے اتنا زچ کیا کہ وہ چھٹیاں لے کر ہی پچھتائی۔

☆☆☆

سونیا کی خالی سیٹ دیکھ کر ارسل کو عجیب سا محسوس ہوا' جیسے کچھ ادھورا ادھورا سا ہو۔ اس نے درمیان کا دروازہ گھبرا کر بند کر دیا۔

نتاشا کے کیس کی آخری پیشی تھی۔ کامیابی چند قدم دور تھی۔ اس نے فائل کھول لی۔ سونیا کا چہرہ جیسے ہر سطر سے جھلک رہا تھا۔ اس نے جھٹکے سے فائل بند کر دی۔ ''یہ سب کیا ہے؟'' اس نے کرسی کی پشت پر سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ سونیا کے لیے اس کے دل میں پیار کا ایک دریا موجزن تھا۔ یہ ہمدردی یا دوستی ہرگز نہ تھی۔ کسی کے بنا اتنا اکیلا پن محسوس کرنا' اس کو اتنا چاہنا کہ اپنے دل کی دھڑکن بند ہوتی محسوس ہو عشق نہیں تو اور کیا تھا؟

اور جب ارسل پر اپنے جذبوں کی آگاہی ہوئی تو اس نے اپنے آپ کو جذبات کے دھارے میں چھوڑ دیا۔ سچے جذبے خود اپنا آپ منوا لیتے ہیں۔ ارسل جیسے محبت سے منحرف انسان نے آج یہ حقیقت جان لی تھی۔ اس نے اپنے اور سونیا کے کمرے کا دروزہ دوبارہ کھول دیا۔ ایک پیار بھری نظر اس کی خالی کرسی پر ڈالی اور کام میں جت گیا۔

یہ چند دن تو گزارنے ہی تھے نا!

چھٹی ختم ہوگئی تھی۔

آفس کا دروازہ کھول کر وہ اپنی کرسی پر آ کر گر سی گئی۔ ایک گونا سکون اس کی رگوں میں سرائیت کر گیا۔ آفس کے چند ہی لوگ ابھی آئے تھے۔ دوپہر کی گہما گہمی ابھی شروع نہ ہوئی تھی۔ اس نے پرسکون ماحول پر نظر دوڑائی۔ پچھلے ایک ہفتے کی کشمکش' ہر وقت کی ذہنی ٹینشن اور امی کی ڈانٹ پھٹکار نے اسے بری طرح تھکا دیا تھا۔ کاش اس نے یہ ہفتہ آفس میں ہی گزارا ہوتا لیکن اب آفس آتے ہی اسے ارسل کا خیال آیا۔ کیسے اس کا سامنا کرے گی۔ جب دل میں کچھ نہ تھا تو اس نے کبھی ارسل سے جھجک محسوس نہ کی تھی مگر اب بات کچھ اور تھی۔

''کیوں نہ میں ان سے بات کرلوں۔ آخر وہ بھی مجھے اپنانے کے متمنی تھے۔ چاہے اپنی شرائط پر۔ اب مجھے ان کا ساتھ ہر شرط پر منظور ہے۔ میرا پیار ہم دونوں کے لیے ہی بہت ہوگا اگر وہ مجھ سے پیار نہیں کرتے تو کیا ہوا اور پھر عاشی والے قصے سے بھی جان چھوٹ جائے گی۔'' وہ فیصلہ کر کے مطمئن ہوگئی۔

کمرے میں قدم رکھتے ہی سونیا کو پرفیوم نے اس کی موجودگی کا احساس دلایا۔ خوشی کا ایک لطیف سا احساس اس کی رگ وپے میں سرائیت کر گیا۔ وہ دھیرے دھیرے اس کی جانب بڑھا۔ قدموں کی چاپ سن کر سونیا نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔ نظریں سیدھی اس کی نظروں سے جا ٹکرائیں۔ اس نے گھبرا کر نظریں جھکا لیں۔ عجیب سی شرم آڑے آ رہی تھی۔

ارسل نے اسے غور سے دیکھا۔ کچھ بدلی بدلی سی لگ رہی تھی وہ۔ چہرے پر تھکن کے ساتھ ساتھ کچھ اور بھی تھا مگر وہ سمجھ نہ پایا۔

''مہک! کیسی ہو؟ لگتا ہے' چھٹیوں سے کچھ خاص فائدہ نہیں ہوا۔ اب بھی تھکی تھکی' گھبرائی گھبرائی سی لگ رہی ہو۔ چہرہ بھی سرخ سا ہو رہا ہے۔'' وہ مسکرا کر بولا۔ سونیا نے جلدی سے اسے دیکھا۔ کہیں اس نے جان تو نہیں لیے اس کے جذبات۔ وہ شرمندہ سی ہوگئی۔

''بس وہی پرانا قصہ۔ امی نے تنگ کیے رکھا۔ سوچتی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوں‘ چھٹیاں نہ ہی لیتی تو اچھا تھا۔ ویسے آج علی نے وعدہ تو کیا ہے خالہ سے دوٹوک بات کرنے کا۔ پھر بھی پریشانی تو ہوتی ہے ناں؟ آج کون سا کیس تیار کرنا ہے؟‘‘ اس نے جلدی سے اپنے آپ پر قابو پا کر موضوع بدلا۔

’’تم آج رہنے دو۔ قیصر صاحب تمہارا کام کر رہے ہیں۔ آنٹی نانو کا کارڈ آیا رکھا ہے۔ اس کا جواب لکھوانا ہے۔ آج کھانے کے بعد جواب لکھوائیں گے‘ ٹھیک ہے؟‘‘ وہ اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

’’ارسل! سنیے۔‘‘ سونیا کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا۔ ’’آج آپ خود جواب لکھوائیں گے؟‘‘ اس نے اچنبھے سے پوچھا۔

’’ہوں‘ اصل میں انہوں نے بڑا خاص سوال بہت ڈانٹ کے ساتھ لکھ کر بھیجا ہے۔ تم سے لنچ پر ڈسکس کر کے ہی جواب دیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہہ رہا تھا۔‘‘

’’مجھ سے؟‘‘ اسے حیرت ہوئی۔

’’ہاں لنچ پر!‘‘ وہ واپس مڑ چکا تھا۔

سونیا نے لمبا سانس لے کر کرسی سے پشت لگالی۔

☆☆☆

ریسٹورانٹ میں داخل ہوتے ہوئے اس کو بے حد گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ حالانکہ یہ وہی ان کا مخصوص ریسٹورانٹ تھا جہاں انہوں نے ان گنت لنچ‘ کام کے دوران کیے تھے۔ جب بھی کام کی زیادتی ہوتی‘ وہ اپنی فائلیں اٹھا کر یہاں کھانا کھانے چلے آتے تھے مگر آج حالات کچھ اور تھے۔ اس کے سنگ چلتے چلتے دل تمام عمر اس کے ساتھ کا متمنی ہو رہا تھا۔ وہ اپنے آپ میں سمٹی جا رہی تھی۔ ایک نظر اس نے ساتھ چلتے ارسل پر ڈالی جو اس کے جذبات سے بے خبر اطمینان سے ایک ٹیبل کے گرد بیٹھ چکا تھا۔ وہ بھی اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

’’مہک!‘‘ اس نے کچھ کہنا شروع کیا۔

’’میرا نام سونیا ہے۔‘‘ سونیا نے اسے ٹوک کر ہولے سے کہا۔ وہ اسے کبھی بھی سونیا نہیں کہتا تھا۔

’’جانتا ہوں مگر میرے لیے تم ہمیشہ سے مہک ہو اور رہو گی۔‘‘ ارسل کے جملے نے سونیا کو یاسیت میں ڈبو دیا۔ وہ ناامید سی ہو گئی۔ ویسے بھی اپنے جذبات کا اظہار کرنے میں وہ کیسے پہل کرتی۔

’’آپ آنٹی نانو کے جواب کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے؟‘‘ اس کی گہری نظریں اپنے آپ پر محسوس کر کے جلدی سے پوچھا۔

’’پہلے تم بتاؤ کہ تمہارا مسئلہ کتنا حل ہوا؟‘‘ اس نے پوچھا۔

’’وہ تو اب بھی وہیں کھڑا ہے۔‘‘

’’تو پھر کیا سوچا ہے تم نے؟‘‘ اس کے سوال پر سونیا نے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

’’وہ آپ نے .... اس دن ہمارے گھر.... میرا مطلب ہے اس دن.....‘‘ وہ کہتے کہتے رک گئی۔ ذہنی کشمکش شکل سے ہویدا تھی۔ سمجھتے ہوئے بھی ارسل انجان بن گیا۔

’’کس دن کی بات کر رہی ہو؟‘‘ وہ چاہتا تھا کہ اس دن کی تمام باتیں سونیا بھول جائے۔ اپنی بے وقوفی میں اس دن وہ جانے کیا کیا الٹے سیدھے بیانات دے گیا تھا۔ محبت سے شناسائی ہوئی تو اس نے جانا تھا کہ اس نے سونیا کو کتنے بھونڈے انداز میں پرپوز کیا تھا۔ شکر ہے‘ وہ عقلمند لڑکی تھی۔ کوئی اور ہوتی تو اسے کھڑے کھڑے گھر سے نکال دیتی۔ اس بزنس پرپوزل پر۔ اب تو وہ پور پور اس کی محبت میں ڈوب چکا تھا۔ اس کے دل کی دنیا میں اتنا بڑا انقلاب آ چکا تھا۔ اس کا یقین ابھی سونیا کو دلانا تھا۔ وہ سر جھکائے اس سے نظریں ملائے بغیر بولے جا رہی تھی۔ اس کے جذبات سے بے خبر۔

’’اس دن.... جب آپ... وہ شادی.... شادی کا پرپوزل...‘‘ آواز اس کے حلق میں پھنس گئی۔ کیسے کرتی وہ یہ سب باتیں۔ وہ اب بھی اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

’’اس دن کو بھول جاؤ۔ اس دن جانے کیا کیا بکواس کی تھی میں نے۔ جو کچھ اس دن میں بول گیا‘ وہ سب وقتی جذبات تھے۔ میں خود اپنے آپ کو دھوکا دے رہا تھا مگر اب میرے جذبات اور خیالات دونوں ہی بدل چکے ہیں۔ اس دن جو کچھ میں نے کہا‘ اسے بھول جاؤ۔‘‘ وہ بول رہا تھا‘ سونیا کی آنکھوں میں لہراتے حزن وملال دیکھے بنا۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہ تھا کہ ارسل اب اسے اپنانا بھی چاہتا ہوگا کہ نہیں۔ ریجیکٹ ہو کر کون کسی کو دوبارہ موقع دیتا ہے۔ یہ تو پیار کی باتیں ہیں کہ انکار سن کر بھی اسی شخص کی چاہ اسی طرح دل میں رہے اور ارسل نے تو ایسے کسی جذبے کو بنیاد نہیں بنایا تھا۔‘‘ وہ دکھ کے ساتھ ساتھ شرمندگی کے احساس سے کٹی جا رہی تھی۔ جانے کیا کیا کہے جا رہی تھی وہ۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اٹھ کر بھاگ جائے۔ منہ شرمندگی سے سرخ پڑ چکا تھا۔ ارسل کچھ کچھ اس کی سوچ کی رو سمجھ رہا تھا مگر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنے بدلے ہوئے خیالات کا اظہار کیسے کرے۔ ان چند دنوں میں وہ اتنا بدل جائے گا‘ اس بات کا یقین وہ کیسے اس کو دلائے۔

’’میرا خیال ہے‘ میں چلتی ہوں۔‘‘ سونیا اٹھ کھڑی ہوئی۔ ارسل نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ سونیا کا دل یکبارگی تیزی سے دھڑکا۔ اس نے ارسل کی مضبوط گرفت میں اپنے نازک سے لرزتے ہاتھ کی جانب دیکھا۔ وہ اب بھی اس کا ہاتھ تھامے تھا۔

’’پلیز ارسل!‘‘ اس نے التجا کی۔

’’نہیں سونیا پلیز‘ میری پوری بات سن کر جاؤ۔‘‘ اس نے ہلکا سا دباؤ ڈال کر اسے بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔

’’تم کو میں نے پرپوز کیا تو بالکل غلط مقاصد کے ساتھ‘ غلط نظریات اور جذبات کے ساتھ تمہارا ساتھ چاہا اور تم بالکل حق بجانب تھیں‘ ان شرائط پر زندگی نہ گزارنے پر۔ اب تم خود وہ غلطی کر رہی ہو‘ میرا ساتھ چاہنے پر جو میں نے کی تھی۔ اس دن تم صحیح تھیں‘ مجھے انکار کر کے اور آج میں صحیح ہوں۔ تم اپنی مشکلات سے نکلنے کے لیے‘ عاشی کے راستے سے ہٹنے کے لیے مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہو مگر آج میں یہ نہیں چاہتا۔‘‘

سونیا شرم سے گڑی جا رہی تھی۔ کاش‘ اس نے یہ سب شروع نہ کیا ہوتا تو یوں آج شرمندگی سے برا حال نہ ہوتا۔ یوں اس کے جذبے بے وقعت نہ ہوتے۔ وہ تو اپنی محبت اسے دان کرنا چاہتی تھی۔ صرف اپنی محبت پر دونوں کے لیے سپنوں کا محل کھڑا کرنا چاہتی تھی مگر وہ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔

’’آپ غلط....‘‘ اس نے ارسل کو بتانا چاہا۔

’’نہیں سونیا‘ ہم اپنی نئی زندگی کی بنیاد ان کھوکھلے فلسفوں اور مسائل کے حل کرنے پر نہیں رکھیں گے۔ ہم تو پیار کو وجہ بنا کر زندگی شروع کریں گے۔ میری زندگی کا ایک نیا باب شروع ہوگا اور وہ ہوگا‘ تمہارے پیار کے نام سے‘ تم سے ہی مجھے ان جذبوں کی آگاہی ملی ہے۔ آج میں جان گیا ہوں کہ زندگی کا سب سے خوب صورت رنگ ہی پیار ہے۔ اس کے بغیر ہر رشتہ ادھورا ہے۔ چاہے وہ ماں باپ کا رشتہ ہو‘ بہن بھائی کا یا پھر میاں بیوی کا اور تو اور دوستی بھی پیار کا ہی دوسرا رخ ہے۔ کیا اب بھی نہیں سمجھیں؟‘‘ اس کی الجھی نظریں محسوس کر کے ارسل نے پوچھا۔

’’تم ہی میری زیست کا حاصل ہو اور میں چاہوں گا کہ میرے پیار کے بدلے اگر مجھے پیار دے سکتی ہو تو ہاں کہنا ورنہ میں سمجھوں گا کہ میں یہ بازی ہار گیا ہوں۔‘‘ ارسل کی بوجھل آواز پر سونیا نے ایک شرمگیں مسکراہٹ کے ساتھ سر اثبات میں ہلا دیا۔ بڑی زندگی پڑی تھی‘ اپنے پیار کے اظہار کے لیے۔

’’ایک بات اور تم میری ’’مہک‘‘ ہو اور ہمیشہ رہو گی۔ سونیا مجھ سے نہ بولا جائے گا۔‘‘ اس نے دھونس دی تو وہ بالکل پرانا والا ارسل لگا۔ وہ مسکرا دی۔ کتنا اپنا سا لگا تھا وہ۔

☆☆☆

آنٹی نانو‘ سونیا اور ارسل کی شادی کا کارڈ دیکھ کر خوشی سے مسکرا دیں۔ یہی تو وہ چاہتی تھیں۔ انہوں نے مخصوص گلابی لفافہ نکالا‘ مبارک باد دینے کے لیے!